لیلیٰ کے خطوط

مصنّفہ

قاضی عبدالغفار

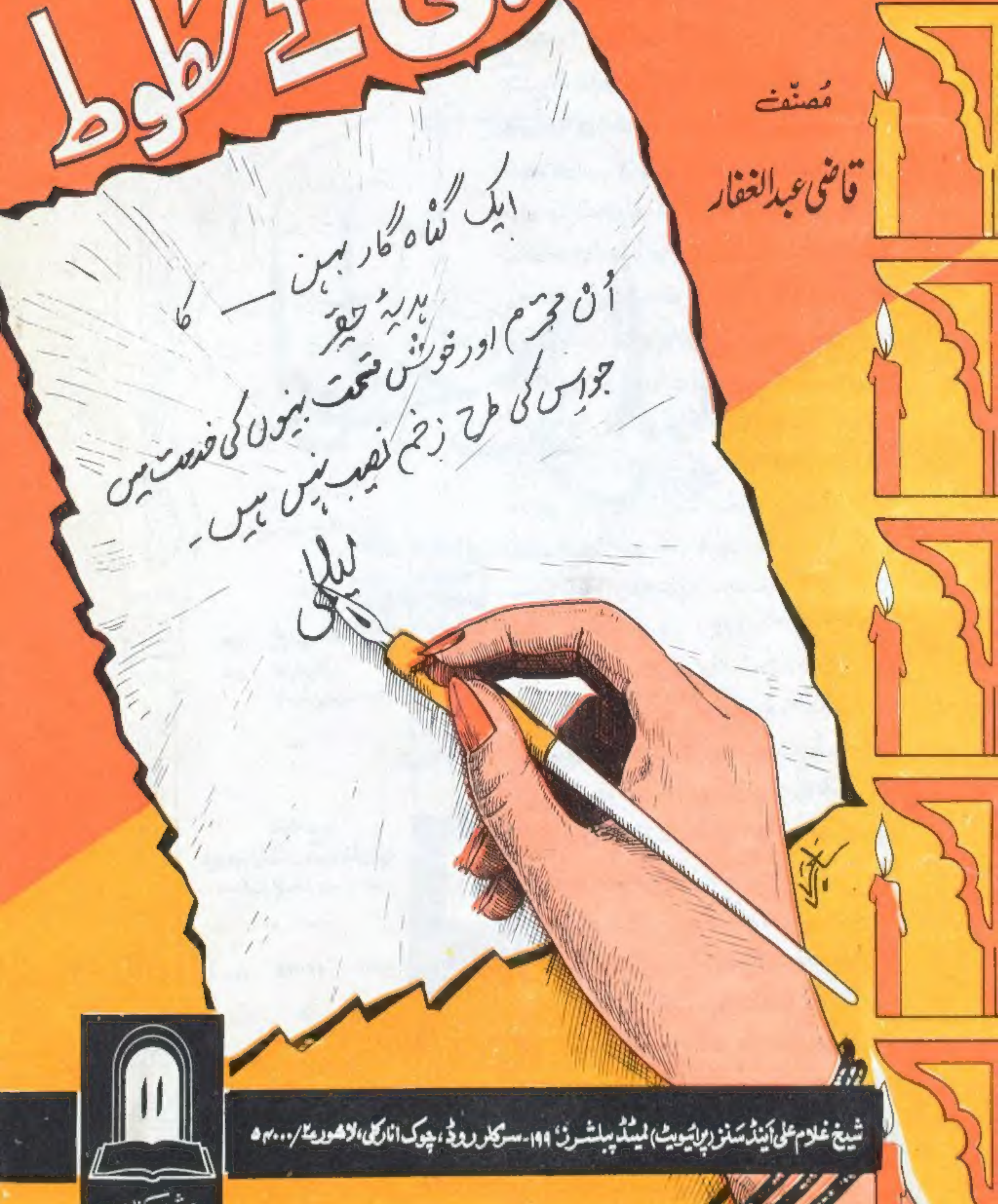

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/ ۵۴۰۰۰

روشن کتابیں

دُنیا کی۔ قومی اور علاقائی
زبان کی روشن کتابوں کا انتخاب

نگران : شیخ نیاز احمد
مُدیرِ مسئول : ارشد نیاز
مُدیر : رب نواز ملک

مجلسِ مشاورت :
اے حمید۔ ایم ایس ناز
محمد حنیف شاہد۔ عینکاف خالد

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

مہتممِ اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور

فون نمبر :
۵۲۹۰۸ ۔ ۶۴۰۶۵ ۔ ۲۱۳۰۲۰

تار :
کتاب مین (KITABMAN) لاہور

پیارے قارئین!

آپ کا اصرار تھا کہ قاضی عبدالغفار کی تصنیف "لیلیٰ کے خطوط" روشن کتابوں کے سلسلے کے تحت جلد منظرِ عام پر لائی جائے۔ ہم نے سوچا، جب ہماری تمام محنت اور کوشش قارئین کے لیے اور انہی کی بدولت ہے تو پھر ان کی پسندیدہ کتاب کی اشاعت کو معرضِ التوا میں ڈال کیسا؛ قارئین سے ہمیں ایک تعلق، محبت کا ہے۔ اِس قلبی تعلق نے ہمیں اُبھارا، بھاگم بھاگ کتاب حاصل کی ۔۔۔ نظرِ ثانی کی (ترمیم و تنسیخ کے لیے نہیں بلکہ محض اِس خیال سے کہ جو کتاب ہم اپنے روشن دماغ قارئین تک پہنچانا چاہتے ہیں اُس کے لفظ لفظ میں ڈوب کر اُن قلبی واردات کا اندازہ کر سکیں جو کتاب پڑھنے کے بعد اُن کے محسوسات پر اثرانداز ہو گی)، کتابت ہوئی ۔۔۔ اور پھر کتاب چھپ کر آپ تک پہنچ گئی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہُوا کہ ہم خود بھی نہ سمجھ سکے۔ ذہن پر بس ایک ہی دُھن سوار تھی کہ کتاب کسی طرح چھپ کر مقررہ تاریخ پر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے ۔۔۔ خُدا کا شکر ہے کہ ہم سُرخرو ہُوئے ۔۔۔ آپ نے "لیلیٰ کے خطوط" طلب کیے تھے، یہ لیجیے حاضر ہیں۔ یہ خطوط اپنے اندر کیا کچھ سمیٹے ہوئے ہیں، مصنف نے بڑی دلسوزی کے ساتھ لیلیٰ کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ ٹپکنے والے آنسوؤں کو نوکِ قلم میں پرو دیا ہے۔ ہر آنسو وہ جامِ جہاں نما ہے، جو پاک و ہند کے نام نہاد مصلحین قوم اور مذہب کے رہنماؤں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ ان میں عورت کے متعلق وہ اپنی غفلت شعاری و نظر کا عکس دیکھ سکیں۔ اِس کاغذی پیرہن میں خراب آباد پاک و ہند کی نسوانی زندگی کے چند نقوش سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔۔۔ حُسن فروشی کے بازار میں یہ عورت کی خونچکاں فطرت کا ایک مطالعہ ہے جو زبانِ اُردو کی علمی دُنیا اور پاک و ہند کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں چشمِ عبرت کا محتاج ہے۔

قارئین! یہ کتاب حقیقت میں ایک ایسے ناصحِ مشفق کا درجہ رکھتی ہے جو ہولے سے آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُن غلاظتوں کی نشاندہی کرتا ہے جن کا تعفن اندر ہی اندر ہمارے پورے نظامِ زندگی کو بوسیدہ کر رہا ہے۔

اگلے ہفتے ہم ایک عظیم لیڈر، باصلاحیت قائد اور ترکی کے مردِ آہن 'کمال اتاترک' کے حالاتِ زندگی، شخصیت اور کارناموں پر مشتمل ایک گراں قدر کتاب آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ جدید کتابوں کے سلسلے کی یہ بارھویں پیشکش ہے جو انشاءاللہ آپ کو ایک نئی اور روشن منزل کا پتا دے گی۔

نیاز احمد

ISBN - 669 - 31 - 0261 - 4

روشن کتابیں گھر پہنچانے کے عظیم منصوبے کے تحت

ایک
اچھوتی پیشکش

لیلیٰ کے خطوط

مصنفہ

قاضی عبدالغفار

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

ایک گناہ گار بہن ——— کا

ہدیہ حقیر

ان محترم اور خوش قسمت بہنوں کی خدمت میں

جو اس کی طرح زخم نصیب نہیں ہیں ۔

لیلیٰ

مقدمہ

یہ صفحات اپنی شرح خود ہیں۔ ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جو ہندو پاکستان کے نام نہاد مصلحین قوم اور مذہبی رہنماؤں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس میں عورت کے متعلق اپنی غفلت شعاریوں کا مکروہ چہرہ دیکھ سکیں۔

مجھ پر ظلم ہوگا اگر ان صفحات کو ناول یا افسانہ سمجھ کر پڑھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کاغذی پیراہن میں خراب آباد ہندو پاکستان کی نسوانی زندگی کے چند نقوش پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر اس بدنصیب ملک میں کچھ لوگ ان نقوش کے معنی سمجھ سکیں تو سمجھ لیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس وقت تک ہندو پاکستان کی عورت کے ساتھ پورا انصاف نہ کیا جائے گا۔ سیاسی آزادی اور قومی ترقی کا ادّعا محض حرفِ غلط رہے گا۔

یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک بازاری عورت کی ظاہری اور باطنی زندگی کا یہ عکس مبالغہ سے یکسر پاک ہے۔ مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ حسن فروشی کے بازار میں ہندو پاکستانی عورت کی یہ خونچکاں فطرت کا ایک "مطالعہ" ہے جو زبان اردو کی علمی دنیا اور ہندو پاکستان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں چشمِ عبرت کا محتاج ہے۔ اس دردناک تصویر کی رنگ آمیزی اس کو جاذبِ نظر بنانے کے لئے ضروری تھی۔ ~

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

لیلیٰ کے قلم سے جو خطوط لکھوائے گئے ہیں۔ ان کا یہ مجموعہ انشا پردازی کی مشق ہے نہ نظم کا مظاہرہ ہے، بلکہ ان خطوط میں جو دیکھ سکتے ہوں، ان کے لئے لیلیٰ کا تبسم ایک فوارۂ خون، اس کی بذلہ سنجی ایک فریاد اور اس کی ظرافت ایک دکھی کی پکار ہے! اس کی شوخیوں میں اس کے دل کا درد مستور ہے، اس کی شرارتوں میں اس کی جراحتیں پوشیدہ ہیں، لیلیٰ کی زندگی کا فلسفہ اس قدر نفرت انگیز نہیں جس قدر دردانگیز ہے! وہ ہنس ہنس کر اپنے زخموں سے کھیلتی ہے جو اس کے وجودِ معنوی پر ناسور بن کر رہ گئے ہیں! اپنی مختصر داستان میں وہ اپنی ان لاکھوں بدنصیب بہنوں کی روئدادِ زندگی بیان کرتی ہے جو اس ملک میں مردوں کی نفس پرستی پر قربان کی جاتی ہیں۔ لیلیٰ کی زندگی کا ہر نقش فریادی ہے

ان خطوط کے اجمال میں مظلوم کی طرف سے ظالم کی جانب چند اشارے ہیں مگر ظالم مظلوم کی تصویر دیکھنے سے ہمیشہ گھبرایا کرتا ہے، اس لئے کہ اس کو اس آئینے میں اپنی اصلی صورت نظر آیا کرتی ہے! پس تعجب نہیں کہ بعض حلقوں میں یہ خطوط سختی کے ساتھ ناپسند کئے جائیں لیکن عورت کی دنیا میں جہاں ہندو پاکستان کی تقریباً نصف آبادی ابھی تک پا بہ زنجیر اور مہر بہ لب ہے، مجھے امید ہے کہ ان اوراق کا بیشتر حصہ غور کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

اسی سلسلے کے چند خطوط اس سے پہلے رسالہ "نیرنگِ خیال" کے صفحات پر شائع ہو چکے ہیں اور اس طرح ایڈیٹر صاحب "نیرنگ خیال" کی مہربانی سے لیلیٰ کی فریاد کا کچھ حصہ اس کے ہمدردوں تک پہنچایا جا چکا ہے مجھے معلوم ہے کہ بعض حلقوں میں یہ فریاد ہمدردی کے ساتھ سنی گئی۔ اب ان خطوط کی یکجا اشاعت سے مقصود صرف یہ ہے کہ جو لوگ لیلیٰ کے مخاطب اصلی ہیں ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ایک قطرۂ خون نکال کر خوردبین کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ اس ایک قطرہ سے ان تمام جراثیم کا پتہ چل جائے، جو ہمارے نظام زندگی کو گھن لگا رہے ہیں۔ لیلیٰ درحقیقت ہمارے جسدِ اجتماعی کا صرف ایک قطرۂ خون ہے جو میں "ان بزرگانِ ملت" کی خدمت میں نذر لایا ہوں۔ جن کا فرض تھا کہ مصلّوں پہ تسبیح لے کر بیٹھنے اور منبروں پر بے معنی اور بے نتیجہ وعظ فرمانے کے بجائے اپنی تہذیب کے اس ناسور کے لئے جس کا ایک قطرۂ خون لیلیٰ ہے کوئی مرہم تجویز کرتے اور اپنی "لیڈری" کے پلیٹ فارم پر محض تقریریں کر کے اپنے مجرم ضمیر کو تسکین دینے کی کوشش نہ کرتے!!

عبدالغفار

پہلا خط

آپ کی چند سطریں مختصر ہیں مگر ناقابلِ فہم نہیں، میری زندگی میں آپ کا یہ عنایت نامہ اپنی قسم کا پہلا مکتوب نہیں ہے، برسوں گذر گئے کہ میرے دن اور میری رات کا زیادہ حصہ اس قسم کی خط و کتابت میں گزرتا ہے۔ یہ زندگی جو میں بسر کر رہی ہوں، میرے لئے اب نئی نہیں، آپ نے کیوں اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے پردے میں چھپایا۔ شرمانے کا کوئی محل نہیں ایسی تو کہ آپ "راہ و رسم" پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے صاف یوں کیوں نہ کہا کہ آپ بھی میرے حسن کے خریدار ہیں! آپ نے شب کے دسترخوان پر میری شرکت اپنے لئے باعثِ مسرت بتائی ہے، آپ نے کیوں نہ فرمایا کہ آپ کی منزل دسترخوان کی حدود سے آگے ہے کیا نہیں ہے؟ بندہ نواز کسی دکان پر جایئے تو استعارہ اور اشارہ سے قطع نظر کر کے گاہک کی طرح کھل کر سودا کیجئے، آپ کہیں گے کہ آپ نے اپنے خط میں آداب و حیا کو ملحوظ رکھا مگر میرے لئے اس پردہ کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں بقول آپ کے آج شب کو آپ کی مہمان بنوں تو مجھے عذر ہی کیا ہو سکتا ہے؟ میں تو اسی لئے سر بازار اپنا اشتہار دیتی ہوں۔

دوسرا خط

بندہ پرور! گذشتہ شب کی مہربانیوں کا شکریہ! اور پھر مزید یاد آوری کا شکریہ! آپ اپنے اظہار التفات کو اس ناچیز پر کیوں ضائع کرتے ہیں، شب کا لطف و کرم ضرور نہیں کہ صبح کو بھی باقی رہے۔ آپ اپنی جگہ پر رہیئے اور مجھے میری جگہ پر رہنے دیجئے۔ آپ یوں سمجھیئے کہ آپ نے ایک کھلونا خرید اتھا جس سے شب بھر آپ اپنا دل بہلاتے رہے اور میں یہ سمجھوں کہ جو کچھ آپ کے جیب سے نکال لائی وہ میرا سرمایۂ تجارت ہے، اس کے علاوہ آپ کا تمام شاعرانہ تخیل اور اندازِ تحریر محض تضیعِ اوقات ہے، میں آہِ سرد اور لبِ خشک کی منزل سے بہت آگے نکل گئی ہوں۔ وہ طلسم جس میں مرد اور عورت باہم مبتلا ہوتے ہیں، میرے لئے محض بے معنی ہے۔ آپ کی وزنی جیب اور میرا حسین جسم، یہی دو چیزیں ہیں جن پر میرے آپ کے تعلقات کا انحصار ہے۔ آپ کے عیش کا مدار آپ کی جیب پر اور میری آسائش کا انحصار میرے چہرے اور جسم کی خوبصورتی پر۔ معاف کیجئے، میں نے ایک دنیا دیکھی ہے آپ ابھی نوجوان ہیں۔ اس لئے صاف صاف کہتی ہوں کہ میری کتاب زندگی کا وہ باب ختم ہو گیا جب میں آپ کے اظہار التفات سے خوش ہوتی آپ بھی اس جھگڑے میں اپنی جان نہ پھنسایئے مجھے آپ پسند کرتے ہیں تو اس کھیل کو کھیل ہی سمجھ کر کھیلئے۔ میں تو اپنی نسوانیت فنا کر چکی ... آپ کا جی چاہے تو اپنی جوانی اور اس کے ساتھ اپنی دولت خرچ کیجئے مگر اندازِ عاشقانہ کی شعریت سے مجھے معاف فرمایئے۔ میں ایک بازاری شراب ہوں۔ مدہوش کر سکتی ہوں مگر مجھ سے کسی کیفِ اعلیٰ کی توقع فضول ہے۔ اگر میری آپ کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا تو شاید کبھی اپنی داستان زندگی کے

چند حروف آپ کو سناؤں مگر وہ ایک الجھن ہے، جس میں کوئی میرا شریک نہیں میرے بستر میں بہت سے شریک ہیں۔ میرا جسم بہت سے دل جلوں کا مشترکہ سرمایہ ہے مگر میرا ماضی صرف میرا ہی ہے۔ آپ کے پاس روپیہ ہے، میرے پاس حسن ہے۔ آپ کہتے ہیں آپ کے پاس دل بھی ہے، شاید ہو مگر میرے پاس نہیں ہے اس کی جستجو فضول ہے۔ ساز کے اس تار کو نہ چھیڑیئے جو ٹوٹا ہوا ہے ـــــ اس میں آپ نغمہ نہ پائیں گے۔

تیسرا خط

محبِ عزیز! کتنے دن ہوئے جب پہلی دفعہ میں آپ کی مہمان ہوئی تھی۔ کتنے دن ہوئے جب آپ نے اپنی جوانی مجھ پر ضائع کرنا شروع کی تھی۔ میں نے کتنی دفعہ آپ سے کہا کہ ورلئے امکان نہ جایئے، جو نہیں ہے اس کو نہ مانگیے، کل رات آپ نے اپنے اظہارِ تعشق کی بہت دیر گرم آنسو ڈبڈبائی اور الجھی ہوئی ہچکیوں سے تائید کی، مجھے آپ نے بالکل تھکا دیا۔ آپ کو کیونکر یقین دلاؤں کہ یہ ہنگامے میرے لئے ایک ذرہ دلچسپ نہیں۔ میں اپنی نسوانیت، اپنی نسوانی آبرو سرِ بازار فروخت کیا کرتی ہوں اور لوگ خریدا کرتے ہیں۔ یہ میری زندگی کا کاروبار ہے۔ مگر آپ اس حقیقت کو بھولنے پر مُصر ہوتے ہیں۔ آپ کی دارفتگی ہزار دفعہ مجھ سے الجھے گی اور دو ہزار دفعہ یہی جواب پائے گی میرے پاس کوئی دوسرا جواب نہیں۔ آج میرا آنا ناممکن ہے۔ کل یا پرسوں آپ یاد فرمائیں گے تو میں ضرور آؤں گی۔ مگر آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ کا شاعرانہ تخیل مجھے نہ ستائے گا۔ آپ بچوں کی طرح ایک بے اصل پرچھائیں کو پکڑنا چاہتے ہیں اور وہ ہاتھ نہیں آتی۔ تو مچلتے ہیں۔ بندہ نواز! جس منزل پر ہم دونوں آ گئے ہیں وہی ہمارے سفر کی انتہا ہے۔ اس کے آگے ہمارے راستے جدا ہیں جہاں تک میں آپ کے ساتھ چل سکوں، اس کے آگے جانا ہو تو پھر تنہا جانا ہوگا۔

چوتھا خط

دارفتۂ تخیل! آپ منتظر رہے ہوں گے، اپنے نہ آنے کی وجہ بیان کروں تو تم کہو گے کہ یہ عورت کس درجہ سنگ دل ہے۔ مگر کروں کیا، واقعات کو چھپا چھپا کر بیان کرنے کی عادت نہیں، شروع ہی سے کوشش کر رہی ہوں کہ تم سیاہ کو سیاہ سمجھو اور میرے دامن کے گندہ دھبوں کو اپنی آنکھ سے دیکھو جیری زنانہ زینت و آرائش سے جو محض ایک کاروباری اشتہار ہے دھوکہ نہ کھاؤ، تمہاری انسانیت کو اپنی انسانیت سے بہتر سمجھتی ہوں اور گو کہ تم سے محبت نہیں کرتی مگر تمہارا بھلا چاہتی ہوں تم نے ابھی دنیا کے نشیب و فراز میں قدم رکھا ہے۔ دھوکہ کھا گئے تو گئے گزرے میرا کیا ہے تم کو ہاتھ سے کھو بیٹھوں۔ تب بھی دنیا احمقوں سے خالی نہیں۔

پیارے دوست! گو کہ میں تمہارے اظہارِ تعشق سے متاثر نہیں ہوتی نہ ہو سکتی ہوں تاہم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارے آغوش میں اپنے لئے کوئی راحت نہیں پاتی "قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں"۔ میری زندگی ناپاک ہے مگر اس عشوہ فروشی کے بازار میں آنے سے پہلے مجھے علم و تہذیب و شرافت کی اتنی دولت حاصل ہو چکی تھی کہ عام طور پر شاید اچھے گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو بھی حاصل نہ ہوتی ہو۔ اس بیان کو خود فریبی اور پندار پر محمول نہ کرنا۔ جو ہر اصلی کچھ میرے پاس بھی تھا۔ فطرتِ الٰہی نے مجھے بھی میرا حصہ دیا تھا۔ مگر میرے قلب کو میری زندگی نے تلخ کام کر دیا ہے، میں دل ہی دل میں اپنے وجود سے شرمایا کرتی ہوں مگر اس مکروہ دنیا اور مکروہ تر دنیا والوں نے جہاں پھینک دیا جس گندگی میں ڈال دیا اسی میں مبتلا ہوں۔ اور اب گناہ کی بھاری زنجیریں میرے پاؤں میں ہیں لیکن یہ نہیں کہ حس باقی نہ ہو۔ حس باقی نہ ہوتی تو میں تم سے اس طرح کی باتیں نہ کرتی۔ تم جب اظہارِ تعشق کے ہجوم سے تھک جاتے ہو اور اپنی تقریروں کے جواب میں مجھ سے ایک حرفِ محبت بھی نہیں پاتے تو پھر مجھ سے کیا کیا احمقانہ سوالات کیا کرتے ہو، کبھی کہتے ہو "لیلیٰ! تم خفا ہو گئیں"، "کیا تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں؟"، "کیا میری محبت کبھی بار آور نہیں ہو سکتی؟"۔ "تم اتنی سنگ دل ہو"، تم اس قدر بے پروا ہو، تم اس قدر بے حس ہو، تمہارے ساز کے کسی تار میں آواز نہیں، تم ایک تودہ برف ہو، تم ایک بھاری پتھر ہو، تم ایک بے جان تصویر ہو، تم ایک دریا ہو جس کا پانی منجمد ہے اور متحرک نہیں ہو سکتا ـــــ تم ایسی کیوں ہو؟ پھر تمہیں میری موجودہ زندگی یاد آتی ہے اور تم میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر بار بار مجھ سے کہتے ہو "کیا تم اپنے ہر دوست کے ساتھ ایسی ہی ہو؟ تم نے محبت کا مزہ نہیں چکھا؟ کیا وہ خوش نصیب اب تک پیدا نہیں ہوا جس کو تم دل سے پیار کر سکو؟" غرض پیارے دوست! تم نے کتنی راتیں اس طرح ضائع کی ہیں؟ تم ایک ویرانہ میں آبادی ڈھونڈتے ہو۔ ایک ریگستان میں مرغزار چاہتے ہو، تم اپنی محبت کے آغوش میں ایک ہمدم و مونس مانگتے ہو، یہ کچھ بھی تمہیں نہیں مل سکتا۔ ہاں تمہارے آغوش میں ایک نازک جسم سما سکتا ہے۔ تمہارے پہلو میں ایک حسین چہرہ آ سکتا ہے تمہارے شانوں پر معطر بال بکھر سکتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کچھ نہ مانگو، کچھ نہ چاہو۔

ایک دن جب تم بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آخر تم ایسی کیوں ہو، تو شاید میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی ممکن ہوا تو بتاؤں گی کہ میں ایسی کیوں ہوں، اس عرصے میں کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب تمہاری اس دارفتگی پر میں اپنے نفس کو ملامت کرتی تھی تو خیال آیا کہ لاؤ آج تمہیں ایک داستان سناؤں مگر دل نے کہا کہ ابھی تو اس نوجوان کی عقل بھی ٹھکانے نہیں۔ یہ دارفتگی کم ہو اور حواس درست ہوں تو کچھ کہوں، تم کو دیکھتی ہوں کہ تمہارا پاؤں اس چکنی زمین پر کسی طرح نہیں جمتا۔ تم جس گندے تالاب کو طوفان خیز سمندر سمجھ رہے ہو اس میں تمہارے لئے پایاب جانا مشکل نہ تھا۔ مگر اس کو کیا کروں کہ تم سمجھتے ہو کہ تم ایک بحرِ ناپیدا کنار میں ہو۔ حالانکہ طوفان خیز سمندر اور چھوٹا سا تالاب دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ یہ سب تخیل ہے۔ سمندر کا طوفان، تالاب کا سکون سب ایک دھوکہ ہے، تم چاہو تو سمندر تالاب اور تالاب سمندر نظر آئے وہ جو ایک تخیل دماغ میں پیدا ہوتا ہے وہی اصل ہے۔ باقی سب فروع ہیں۔ تمہارے دماغ میں سمندر بھی ہے تالاب بھی، اور دراصل دونوں ایک ہیں مگر جب تم آنکھیں بند کر کے اس امر پر اصرار کرو کہ تالاب درحقیقت سمندر ہے تو پھر پانی کا ہر قطرہ تمہارے لئے طوفان خیز ہوگا۔ تم نے بہت سے حکیم اور فلسفی دیکھے ہوں گے مگر میں ایک حسن فروش فلسفی ہوں۔

کمہار نے ایک خوبصورت آبخورہ بنایا۔ لوگوں نے اسے جامِ صہبا بنا لیا، یا کمہار نے ایک جامِ صہبا بنایا اور لوگوں نے اسے آبخورہ سمجھ کر مسجد کی دیوار پر رکھ دیا۔ تو پھر کیا اس مٹی کی حقیقت بدل گئی۔ جام میں چاہے شراب بھر دو چاہے زمزم، عورت کو بیسوا بنا دو گھر کی مالکہ، جو چاہے بنا دو مردوں نے جیسا چاہا عورت کو ویسا بنا دیا، غلام بنا دیا، اپنے نفس کا خدمت گار بنا دیا، بازاروں میں بٹھا دیا، برباد کر دیا، ہیرے کی چمک تم نے چھین لی اور جو سنگریزہ بچا اس کو مٹی میں ملا دیا موتی کی آب اب تم اڑا لے گئے اور باقی جو کچھ رہا اس کو ہوا میں اڑا دیا۔ اب رہا کیا ہے کہ تم عشق و عاشقی کی داستان لے کر آئے ہو؟

تم میری اس خرافات سے اکتا گئے ہو گے مگر جو کچھ کہتی ہوں اس کے پردوں کو اٹھا سکو تو اٹھاؤ اور مجھ سے کچھ عقل سیکھو۔

آج کی شب تمامی ہے، میرا یہ خاص مشغلہ ہے کہ جب میرے سوا میری خلوت میں کوئی نہیں ہوتا، چاہنے والوں کے ہجوم سے نجات پاتی ہوں اور بستر میں رجو مجھ کم بخت کو بہت کم خالی ملتا ہے، جا لیٹتی ہوں تو اپنے عاشقوں کو مع ان کی عاشقی کے تمام ساز و سامان کے بھول جاتی ہوں اور تھوڑی دیر کے لئے میں خود عاشق بنتی ہوں اور اپنے وجودِ معنوی کو اپنا معشوق بناتی ہوں، گویا ایک دوسرا کوئی ہوتا ہے جس کا سر میں اپنے بازو پر رکھتی ہوں اور کہتی ہوں "لیلیٰ! کم بخت لیلیٰ! بدنصیب لیلیٰ! کیا آج فرصت ہے؟ تعطیل ہے، تھک گئی ہے؟ کچھ ڈھونڈ رہی ہے، کوئی یاد آتا ہے؟ یہ رات خالی ہے جا سو جا، کل پھر دکان لگانی ہوگی، خریدار آئیں گے سودا چکایا جائے گا تہی دست قسمت سو جا۔

پانچواں خط

شکر ہے کہ آپ اپنی بے قراری اور بے صبری کی لگام کھینچے رہنے کا وعدہ فرماتے ہیں! میں شام کو آؤں گی، برسات کے زمانے میں، جو عقلمند ہوتے ہیں وہ ایک کے بجائے دو چھتریاں رکھتے ہیں کہ ضرورت کے وقت ایک گم ہو جائے تو دوسری کام آئے، عقلمند مرد بھی صرف ایک ہی عورت کو اپنی خلوت کا کھلونا نہیں بناتا، کئی رکھتا ہے تاکہ راتیں ضائع نہ ہوں! جب مجھے تمہارے پاس آنے کی فرصت نہیں ہوتی تو ساری رات تنہا پڑے ہوئے جلتے بھنتے رہتے ہو، اگر وہ دوسرا انتظام بھی رہے تو تمہاری رات میری وجہ سے کیوں ضائع جائے۔ ایک ہی عشوہ فروش پر قناعت نہ کرو۔ تمہارے ہوس کے ترکش میں ایک سے زیادہ تیر رہنے چاہئیں مجھے دیکھو کہ میں ایک رنگین تتلی کی طرح ہر چمن میں جاتی ہوں اور ہر پھول سے دو باتیں کرتی ہوں، تم بھی شہد کی مکھی کی طرح بہت سے پھولوں کی پنکھڑیوں پر تھوڑا تھوڑا وقت گزارو۔ تاآنکہ زندگی کی صبح شام ہو جائے۔ تم کہاں میرے فلسفے کی الجھنوں میں پھنس کر رہ گئے۔ یہ فلسفہ بہت خشک اور تلخ ہے مجھے دیکھو میں ایک آب تند و تیز سے بھری ہوئی مینا ہوں، میرا نشہ تیز ہے مگر عموماً دیرپا نہیں میں تنہا کتنے ساغر بھرتی ہوں اور کتنے بادہ پرستوں کا بھلا کرتی ہوں، تم بھی ایک چھلکتا ہوا ساغر بن کر محفلوں میں رقص کرو، یا پھر اس میخانہ کی طرف رخ نہ کرو۔ کسی زمانے میں راد رحیف کر وہ زمانہ اب نہ آئے گا، جب میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے قصے پڑھا کرتی تھی تو یہ ناکردہ گناہ قلب اس جہان بے اختیاری اور عالم بے خودی کی کیسی کیسی خوابیں دیکھا کرتا تھا مگر معلوم ہوا کہ زندگی کی کشاکش میں اتنی گنجائش اور فرصت نہیں کہ انسان تخیل کی شعبدہ بازی میں اپنا وقت گزارے جب زندگی کا مدار غذا کے چند لقموں پر ہو اور روح کا تعلق محض ہو معدہ کی اعانت پر جب ہوس پیٹ کے لئے اچھا کھانا مانگے ۔ اور جسم کے لئے سامان زینت تو پھر اتنی مہلت کہاں کہ ؎

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

زندگی کے مکروہات تم کو تنگ نہیں کرتے جسم و جان کا اطمینان حاصل ہے، معاش کی فکر نہیں۔ کوئی ایسا کام نہیں جس کا ہر روز انجام دینا حصول معاش کے لئے ضروری ہو۔ صبح سے شام تک وقت اپنا ہے اور خالی ہے لیلیٰ مجنوں کی کہانیوں کا خواب دیکھا کرو۔ ہضم صحیح ہو، معدہ قوی ہو، صحت درست ہو، تولید خون کافی ہو تو پھر دیکھو کر کیونکر گزرتی ہے، مجھے دیکھو میں نے ایک پیشہ ایک وسیلہ معاش اختیار کیا ہے۔ یا یوں کہوں کہ مجھے ایک پیشہ نے اختیار کر لیا ہے ؎

میں آپ آئی نہیں لائی گئی ہوں

تو بھلا میں فروعات میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔ پھر کہتی ہوں کہ اگر آپ عورت اور اس کے حسن ظاہر سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں ——— جس طرح شکاری محض اس لئے ہرن کے گولی مارتا ہے کہ اس کے بہیمانہ قویٰ اپنی قوت حیوانی کی مستی کا نظارہ کریں اور اس کا نفس مسرور ہو۔ تو اس چمن میں تنگ داماں نہ ہو جئے، پھول بہت ہیں۔

میں جانتی ہوں، آپ کہتے ہوں گے کہ یہ عورت کس قدر بے حس اور بے حیا ہے جناب قیس! آپ کی لیلیٰ نہ بے حس ہے نہ بے حیا ہے، وہ اس فریبی دنیا کی ایک شکم پرست بیٹی ہے وہ اگر حیا اور حس کی اصطلاحات پر غور کرنے لگے تو کھائے کہاں سے، زندہ کیونکر رہے، آپ کے درس اخلاق سے اگر وہ متاثر ہونے لگے تو پھر دنیا والے نہ اس کو مرنے دیں گے نہ جینے دیں گے، اب اتنا تو ہے کہ وہ اپنی گناہ کی دنیا میں کسی نکتہ چیں کی پرواہ نہیں کرتی۔ آپ جو اپنی عشق و عاشقی کے ساتھ ساتھ اصلاح نفوس و اخلاق کا علم بلند کر رہے ہیں اور مکار صوفی کی طرح "مجاز" و "حقیقت" اور "حقیقت" و "مجاز" کے درمیانی خلا میں لکڑی کا جالا بُن رہے ہیں یہ ایک احمقانہ حرکت ہے اور میری نظر میں تمسخر انگیز! آپ گویا میرے اپنے تعلقات کو ایک آسمانی برکت سمجھ رہے ہیں اور میں ——— میں سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی کہ میری دکان کے گاہکوں میں سے ایک آپ بھی ہیں۔

حقیقت ناآشنا! تمہارے آغوش میں مجھ جیسی عورت اپنی عشوہ طرازی کے لاکھوں تماشے دکھا سکتی لیکن تم جو چاہو کہ پانی کی مچھلی خشکی پر دوڑا کرے یا جنگل کا ہرن پانی کے اندر اپنا مسکن بنائے یا شیر اپنا گھونسلہ درخت کی شاخوں میں بنائے تو یہ غلطی تمہاری ہے، مچھلی مچھلی، ہرن، ہرن، شیر شیر ہی رہے گا! تم میخانے میں جا کر وضو کے لئے پانی مانگو یا مسجد میں بیٹھ کر مئے گلفام کی صراحی جیب سے نکالو تو دنیا کیا کہے گی؟ تمہارے تخیل کا رہوار کس قدر الٹا چلتا ہے!

چھٹا خط

میرے مہربان! تم پوچھتے ہو کہ رات تمہارے آغوش میں میں کیوں رو رہی تھی! تم میرے رونے پر اس قدر حیران ہو کر گویا تمہارے خیال میں میری آنکھ کے اندر آنسو پیدا ہی نہیں ہوتے! اس نادان کی طرح جو محفل میں ایک ستار اٹھا کر بجانا چاہتا ہے اور بجانا جانتا نہیں پھر جب اس کے تاروں میں سے کسی ایک تار کو اس نادان کی انگلی مس کرتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ اس تار سے یہ آواز کیوں پیدا ہوئی؟ وہ کیوں نہ نکلی جو اس کے خیال میں نکلنا چاہیے تھی۔ وہ نہیں جانتا کہ تاروں کی ترکیب کیا ہے وہ بار بار ان پہ ہاتھ مارتا ہے اور پھر شکوہ کرتا ہے کہ ان سے نغمہ نہیں نکلتا اور محض شور پیدا ہوتا ہے مگر یہ نادان نہ ان تاروں سے واقف ہے نہ ان کی موسیقی سے آشنا ہے۔ نہیں جانتا کہ کس تار کو چھیڑ رہا ہے اور اس کی آواز کیا ہو گی، تمہیں کیا معلوم کہ میرے ساز خاموش میں کتنے تار ہیں۔ جب کسی نادان کی مضراب ان میں سے کسی ایک کو چھیڑ جاتی ہے تو موسیقی کی ایک بے اختیار چیخ فضا میں گونجتی ہے اور وہ نادان نہیں جانتا ——— نہیں جان سکتا ——— کہ یہ سوز و ساز کہاں سے آیا! تم کیا جان سکو کہ عورت کے آنسو کے اندر موسیقی کی ایک دنیا موجود ہے، آہ تم کہ میری آنکھوں کے سرخ ڈوروں کو دیکھ کر مست ہو جاتے ہو، میرے آنسوؤں کی موسیقی کو کہاں پاؤ۔ یہ میرا راز ہے ———

عورت زندگی کی موسیقی اور شعر سے لبریز ہے، تمہیں بھی اس کی خبر ہے! میرے دوست! ایک نادان تیمار دار کی طرح جو نہیں جانتا کہ مجروح کے جسم پر چادر سے ڈھکے ہوئے کتنے زخم ہیں اور کہاں کہاں ہیں پھر نادانستہ جہاں چاہتا ہے ہاتھ لگا دیتا ہے اور جب اس تکلیف سے مریض چیختا ہے تو حیران ہوتا ہے کہ وہ چیخا کیوں، تم کہاں کہاں میرے زخموں کو چھیڑ دیتے ہو اور نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہو، پھر اگر میں درد و کرب سے تلملا جاتی ہوں تو سوال کرتے ہو کہ "تم روئیں کیوں!" تم کو خبر نہیں کہ تم میرے شکستہ ساز کے تاروں سے کھیلتے ہو، تمہاری طرح بہت سے مرد کھیلتے ہیں، کھیلتے کھیلتے، کتنے تار توڑ ڈالے جن کی موسیقی ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گئی۔ شاید ابھی کوئی تار سالم باقی ہو، اس کی جستجو نہ کرو، مبادا تمہاری بے حس انگلیاں اس سے بھی کھیلنا چاہیں، ماشاء اللہ! میرے رونے کے کیا کیا تمسخر انگیز وجوہ جو تمہارے خیال میں آئے تم کہتے ہو "کیا مالی مشکلات پریشان کر رہی ہیں! کیا کوئی یاد آ گیا! کیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی۔ میرے حسن پرست دوست! میرے آنسوؤں کو بھی تم ایک ادائے حسن سمجھو اور اس دیو کو جو تمہارے اندر ہے ہر مرد کے اندر ہوتا ہے یوں سمجھا دو کہ عورت کے آنسو بھی مرد کے لئے ایک کیف رکھتے ہیں۔ عورت کو کبھی کبھی رونا بھی چاہیئے کہ آنسوؤں کی جھڑی حسن میں ایک اور جھلک پیدا کرتی ہے۔ جو بجائے خود مرد کے لئے عالم مستی میں طرب انگیز ہے۔ مرد ہر دفعہ عورت سے ایک نئی ادا مانگتا ہے اور اپنے لئے صرف ایک ہی انداز حیوانیت کافی سمجھتا ہے وہ عورت کے ہمیشہ ہنسنے سے بھی تھک جاتا ہے اور پیہم رونے سے بھی تھک جاتا ہے وہ ہر کیفیت عارضی چاہتا ہے۔ اس کی حیوانیت کے نشہ کو تیز عملئے پیہم کی امداد درکار ہے ——— اس کا دیو عورت کے خون سے بھرے ساغر ہر وقت اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے۔ تاکہ اس کا نشہ قائم رہے ——— اے نافہم تیرے نشہ کی آخری گھڑیاں کس قدر کٹھن ہوتی ہیں۔

ساتواں خط

دردِ نا آشنا! تم کیوں اپنے دل کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تمہارا دل بے لگام جا رہا ہے تمہارا ادعائے عاشقی اس ساری فضا میں گونجتا ہے کہ گویا تمہارے عشق اور میرے حسن کے سوا اس عالم میں کچھ بھی نہیں، یہی دو چیزیں حاصل کائنات ہیں! تم سمجھتے ہو کہ تم شاید پہلے آدمی ہو جو میرے ساتھ مبتلائے عشق ہوئے جس نے سب سے پہلے میرے حسن کی دہلیز پر سجدہ کیا! کبھی سناؤں گی کہ میرے کیسے کیسے عاشق۔

جانبازہ ہر روز تشریف لاتے ہیں جو عشق کی دوڑ میں تم سے کوسوں آگے جا رہے ہیں۔ اس فہرست میں ایک تمہارا نام بھی ہے جو لکھ لیا گیا ہے اور کیا چاہتے ہو؟ مانا کہ تم عاشق ہو مگر خدا کے لئے یہ کیا زبردستی ہے کہ معشوق بھی بننا چاہتے ہو۔ کوئی چاہنے والا زبان سے نہ کہے مگر چاہتے سب یہ ہیں کہ جس طرح وہ چاہتے ہیں ان کو بھی چاہا جائے۔ آخر کیوں ۔؟ معشوق نے کب آپ سے التجا کی تھی کہ آپ تشریف لایئے اور مجھے چاہنا شروع کیجئے؟ اگر آپ مجبور ہیں کہ مجھے چاہیں تو بسم اللہ چاہیئے دل بھر کر چاہیئے لیکن یہ کیا منطق ہے کہ چونکہ آپ مبتلا ہوئے ہیں اس لئے آپ کا معشوق بھی آپ پر مرنے لگا سنو! عزیز دوست! تمہاری سادہ لوحی مجھے عزیز ہے۔ محبت ایک کیف زندگی ہے، ناقابل بیان! اگر تم کو نصیب ہو تو تمہارا یہ ابتلا مبارک ہے! اگر مجھ سے فرمائشی محبت کی توقع کیوں ہے، گویا تم نے مجھ سے کہا کہ ہمیں چاہو اور میں نے اسی لمحہ سے تمہیں چاہنا شروع کر دیا۔ دھڑا دھڑ عشق شروع ہو گیا کیا خوب! باورچی کی دکان پر آپ کھانا کھانے لگے اور اس سے کہا کہ تو بھی کھا، اب اگر وہ صبح سے شام تک ہر کھانے والے کے ساتھ کھانے بیٹھ جایا کرے تو سخت بدہضمی کے سوا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کی دکان کا ہر خریدار اپنا پیٹ بھر کر اپنے راستے جائے گا، لیکن وہ ضعف معدہ کے مرض میں مبتلا ہو کر عمر بھر ایڑیاں رگڑا کرے گا۔ میں تو آج تک یہ نہ سمجھی کہ آخر تمہیں وجہ شکایت کیا ہے؟ کیا میں تمہارے پاس آئی ہوں تو گھنٹوں تمہارے آغوش میں نہیں رہتی۔ تم مجھے پیار کرتے ہو تو کیا میں تمہیں پیار نہیں کرتی، تم حال دل بیان کرتے ہو تو کیا میں توجہ کے ساتھ نہیں سنتی۔ ساری مشکل یہ ہے کہ تم تانبے کو زر خالص سمجھ رہے ہو۔ تم سے کہتی ہوں کہ میں وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو! اور تم یقین نہیں کرتے اپنی گنہگار زندگی کو تمہارے سامنے عریاں پیش کرتی ہوں اور تم آنکھیں بند کر لیتے ہو۔ اپنے وجود کے ناپاک دھبوں کو دکھاتی ہوں اور تم نہیں دیکھتے پھر مجھے اپنے اضطراب بے محابا اور اپنی بے اختیاریوں سے پراگندہ خاطر کرتے ہو، تم طعنے دیتے ہو کہ تیرا دل سخت ہو گیا ہے اور اس گناہ کی زندگی میں تو بے حس ہو گئی ہے۔ تمہارے الفاظ خوب ہیں یعنی، "اس پھول نے جو باغوں میں صبا کا ہم نفس ہوتا ایک زہریلی زمین میں پرورش پائی۔" تم غلط کہتے ہو، نہ پھول کا قصور ہے نہ زمین کا۔ اس نے تو ویسی ہی پرورش پائی جیسی کہ ہر پھول پاتا ہے، وہ تو اسی زمین میں پیدا ہوا جس میں ہر پھول پیدا ہوا کرتا ہے لیکن کسی گلچین نے باغ کے کسی چور نے اس کو سر شاخ سے چن کر گناہگاروں کے گلے میں ڈال دیا کہ وہ ان کی سیاہ مستیوں میں روندا جائے اور کچلا جائے۔ دنیا بے باک اور سفاک موذیوں سے بھری ہوئی ہے جس کا تمام تر وجود حیوانی عورت کا گلا گھونٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، ہماری ــــ ہم عورتوں کی ــــ زندگی کو کہ ہم دنیا میں تمہاری آسائش اور اپنی آرائش کے لئے بھیجے گئے تھے، تم ــــ تم مردوں نے ــــ تلخ کر دیا، برباد کر ڈالا، دنیا کی لاکھوں کروڑوں عورتیں جن کو کارساز حقیقی نے گھروں کی رونق، دلوں کی آسودگی، آشفتہ حال انسانوں کی راحت اور دنیا کے تھکے ہوئے مسافروں کا سہارا بنایا تھا ان کو زندگی کے بدترین میں پھینکنے والے تم ہو! کیا عورت کی فطرت گناہ کا تقاضا کرتی ہے؟ اس کی فطرت کبھی گناہ کی طرف پہلا قدم نہیں بڑھاتی لیکن ایک درندہ کی طرح مرد کا نفس ہر وقت اس کی گھات میں رہتا ہے اور جب معصوم ہرنیاں بے خبر ہوتی ہیں تو ان پر یہ درندہ حملہ کرتا ہے، پھر اس فاختہ کی طرح جو ابھی شاہین کے جنگل سے چھوٹ کر بھاگی ہو، خدا کی یہ مظلوم مخلوق اپنے زخم کو چھپانا چاہتی ہے، نہیں چھپا سکتی ہے تو رسوا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس رسوائی کی عادی ہو جاتی ہے ــــ میں اس دنیا میں ہوں جہاں ایسے زخم نصیب بہت ہیں ــــ بہت ہیں! تم اس دنیا میں ہو جہاں ایسے رنڈوے اور ڈاکو بہت ہیں ــــ بہت ہیں اپنے ضمیر سے نہیں پوچھ سکتے تو ہم سے پوچھو کہ تم لوگ کیا کرتے ہو! تمہارے نفس کی تاخت و تاراج کا زندہ نمونہ ہم ہیں، عورت کی فطرت معصوم ہے، تمہاری فطرت گناہ سے لبریز ہے۔ میں تم سے پوچھتی ہوں، تم ہی ایمان سے بتاؤ کہ جب تم مجھے اپنی آغوش میں پاتے ہو تو اپنی نفس پروری کے علاوہ کبھی میرے وجود نسوانی کی حقیقی شعریت کو بھی محسوس کرتے ہو، کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ یہ کھلونا جس سے تمہاری دولت کھیل رہی ہے کھلونا نہ تھا، زندگی کی ایک مطلا اور منقش تصویر تھا۔ اگر تم نے اس کھلونے کو توڑ ڈالا، اگر تمہارے جبر نے اس کے اختیار کو سلب کر لیا تو کھلونے غریب کا کیا قصور؟ اس پر کیوں خفا ہوتے ہو؟ اس کو کیوں طعنے دیتے ہو، کتنی عورتیں ہیں جو زندگی میں پہلی دفعہ خود مرد کی طرف گئی ہوں، انہوں نے اپنا آغوش مرد کے لئے کھولا ہو! حتی کہ وہ دوشیزہ جس نے گناہ کی چار دیواری میں پرورش پائی ہو وہ بدنصیب بھی اور وہ بے شرم بھی آپ کو کبھی اپنی طرف نہیں بلاتی کہ آیئے اور میری فطرت کا گلا گھونٹ دیجئے، تم نے خود اس کے جسم کی قیمت مقرر کی تمہارے نفس نے اس کو تاکا، تم نے اس کی روح کو اپنی طاقت اور اپنے سونے چاندی سے دبا دیا کچل ڈالا۔ جب تم میری طرف اپنا دست طلب بڑھاتے ہو تو اپنے نفس لئیم سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ عورت جو اپنی نسوانیت کا اعلیٰ ترین جوہر نذر کئے دیتی ہے کبھی وہ تھی کہ کسی گھر کا اجالا ہوتی اور انسان کی ایک نسل کو اپنی گود میں پالتی! آج شب کو وہ آپ کے بستر کی آرائش ہے اور کل صبح منظر عام پر آپ اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ فرمائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرد اپنے ضمیر کو خوب دھوکے دینا جانتا ہے۔ وہ اپنے گناہ گار نفس کے مکروہ چہرے کو خوش نما رنگ و روغن سے چھپا لیتا ہے، اپنی ہوس کو عشق کہتا ہے اس عشق کی قسمیں کھاتا ہے اور اپنے دل و دماغ کو زبردستی ایک تند شراب پلا کر بے خود کر لیتا ہے۔ دوسروں سے کہتا ہے دیکھو میں مبتلائے عشق ہوں، میں فریب خوردہ حسن ہوں، میں مظلوم ہوں اور میں ــــ پاکباز ہوں! مگر یہ سارا ادعائے الفت ہوس پرستی کا ایک تماشہ ہوتا ہے جو تم ہم کو دکھاتے ہو ــــ ہم تمہاری دراز دستیوں سے بچ نہیں سکتے۔ کاش کہ تم خود اپنے فریب سے محفوظ رہ سکتے! اپنی نفس پرست زندگی کا ایک لمحہ صرف کیجئے اور میری اس گزارش پر غور فرمایئے۔

تم مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ کچھ آپ بیتی سناؤں، یہ کہانی تمہارے لئے بے مزہ ہوگی۔ تمہارے عیش کو خراب کرے گی۔ اپنی ہزاروں، لاکھوں بدنصیب بہنوں کی طرح۔

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

ابھی تم کو اپنی داستان عشق بیان کرنے سے کب فرصت ہے کہ میری کہانی سن سکو میں زندگی کی ایک بگاڑی ہوئی تصویر ہوں جس کے لئے کہیں سے چشم عبرت لاؤ!

آٹھواں خط

یہ تو نیا رنگ ہے! چشم بددور، آپ مجھے طعنے دے رہے ہیں! لیلیٰ کے مجنوں! مل گئی تو کسی بازار سے تولہ دو تولہ عقل تمہارے لئے خرید دوں گی۔ سچ کہنا تمہاری نظر میں میرے عیش و راحت کے معنی کیا ہیں؟ تم نے بغیر سوچے کہا اور کس قدر غلط کہا کہ۔

بریز شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را
نوا گراں نخوردہ گزند راچہ خبر

غلطانے تو یہ لقمانے تو! میں بھی عرض کرتی ہوں کہ "نوا گراں نخوردہ گزند راچہ خبر" تمہاری منتخب اللغات میں افعی کس کا نام ہے؟ تم نہ جانتے ہو تو میں بتا دوں۔ ایک افعی میرے پاس بھی ہے، ایک

افعی میری رگ جان سے بھی لپٹا ہوا ہے مگر فرق یہ ہے کہ تمہارا افعی تمہارا نفس لئیم ہے جو تمہیں کھائے جاتا ہے اور میرا افعی مجھ سے دونوں وقت کھانے کو مانگتا ہے تم مجھے "نہ خوردہ گزندہ" کہتے ہو، شرم تو نہ آتی ہوگی، اکم نظر، تنگ نظر، کاش کہ تو جانتا کہ میرا افعی تیرے افعی سے بہت زہریلا ہے۔ میں چاہتی تو اس "بزیر شاخ گل افعی" کا جواب یوں دیتی کہ ؎

توائے کبوتر بام حرم چہ میدانی
طپیدن دل مرغان رشتہ بر پارا

مگر تم سے کیا لکھوں؟ جانتی ہوں کہ تم نہ "بزیر شاخ گل افعی گزیدہ" کو سمجھے اور نہ "تپیدن دل مرغان رشتہ بر پارا" کو سمجھ سکتے ہو! تمہاری کج فہمیاں اور نافہمیاں مجھے ہنساتی بھی ہیں اور رلاتی بھی ہیں، ہوش مند، تعلیم یافتہ نوجوان کہے جاتے ہو اور ایک بچہ سے زیادہ شعور نہیں رکھتے! میری عمر ہنوز ۲۵ سال کی نہیں مگر شباب کی تمام نعمتوں سے محروم ہو چکی ہوں! لوگ بظاہر میرا عنوان شباب دیکھتے ہیں اور میں اپنے اندر جوانی کا ایک شائبہ بھی نہیں پاتی۔ اس نرم حسین اور گلابی کھال کے نیچے گویا ایک خزاں رسیدہ جھریاں پڑا ہوا بوڑھا جسم ہے جس کی بدصورتی پہ باہر کا خول پردہ ڈالے ہوئے ہے ——— زندگی کا آتش دان کس قدر سرد ہے! کاش کہ تم ۲۴ سال کے ننھے بچے نہ ہوتے اور میں ۲۵ سال کی بڑھیا نہ ہوتی! اگر میں اور تم جگہ بدل سکیں تو آؤ چند روز کے لئے جگہ بدل لیں، تم میری جگہ آجاؤ اور میں تمہاری جگہ ——— پھر دیکھو ساری جوانی بھول جاؤ گے! ———

یہ بھی تمہاری طفلانہ سادگی کا ایک نمونہ ہے کہ کچھ بن نہ آئی تو مجھے طعنے دینے لگے۔ تم نے عورت کی کتاب زندگی کا ایک حرف نہیں پڑھا، لو آؤ، آج دعویٰ کرتی ہوں۔ میری زندگی کا ایک تماشہ دیکھ لو۔ میری کسی ایک شب یا کسی ایک دن کے چند گھنٹوں کو اپنی عشق و عاشقی کے سارے عہد سے بدل لو۔ اپنی عمر بھر کی کلفتوں کو مجھے دو۔ اور میرے کرب روحانی کی چند ساعتوں کو مجھ سے لے لو پھر دیکھو کہ کس کا افعی زیادہ زہریلا ہے؟ کس کے زخم زیادہ گہرے ہیں اور کس کا ناسور زیادہ پرانا ہے؟

تمہیں اپنی زندگی کا ہر روز پیش آنے والا صرف ایک واقعہ سناتی ہوں اور پھر تم سے سوال کرتی ہوں کہ کیا تم بھی کبھی اپنے دل و دماغ اور اپنے تمام تر وجود روحانی کو اس طرح خاک میں ملا سکتے ہو؟

میری زندگی کی ہزاروں راتوں کی طرح گذشتہ شب بھی ایک رات تھی جب میں اپنے جسم کو ایک اجنبی کے آغوش میں پاتی تھی، صرف اس لئے کہ اس نے میرے حسین جسم کی معقول قیمت ادا کی تھی، اس شب میں وہ مجھ سے کس کس طرح اظہار الفت کرتا تھا اور میں اس سے، میں کوشاں تھی کہ وہ اجنبی مجھ پر ہمہ تن مبتلا ہو جائے اور وہ چاہتا تھا کہ میرے جسم کی تمام نزاکت و رعنائی کو اپنے نفس پر قربان کر ڈالے میں جانتی تھی کہ شاید صبح کے بعد میں اور وہ کبھی ایک جا نہ ہوں گے مگر شب کے چند گھنٹوں کی قیمت تو بہرحال اس نے ادا کی ہی تھی اور وہ تو مجھے اس کے آغوش میں ہنس ہنس کر گزارنے ہی تھے۔ تمہیں یقین نہ آئے گا کہ میں اس کی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی میرے قہقہوں سے سارا کمرہ گونج رہا تھا وہ اپنے بھدے اور بیشتر گندے عامیانہ مذاق اور ہزلیات سے اپنی بے باکی و عیش پرستی کا اظہار کرتا تھا اور میں اس کے بھونڈے اور بازاری فقروں کی داد دے کر گویا اس کو خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رات کے اس سفر کی ہر منزل میں میرا قدم اس کے ساتھ اٹھتا تھا۔

پھر میں صبح کو گھر آئی، تھکی ہوئی بے خواب آنکھیں، بیٹھا ہوا، ڈوبا ہوا دل ——— پریشان دماغ، چاہتی تھی کہ چند ساعت سو رہوں اور گزشتہ رات کے ہنگامۂ گناہ کو بھلا کر آئندہ رات کی عشوہ فروشی کے لئے تازہ دم ہو جاؤں لیکن ابھی بستر پر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی، رات کے مرجھائے ہوئے پھول ہنوز میرے گلے میں تھے کہ کسی کی آہٹ پا کر سنبھل بیٹھی، یہ آنے والے ایک چاہنے والے تھے، یکے از گروہ عاشقاں! اپنے عشق کی ایک طویل داستان لے کر آئے، ہمیشہ اسی طرح آتے ہیں، بیٹھے، بسورے میری طرف تکتے رہے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے رہے ——— گویا اپنے عشق کی بجلی کو میرے جسم میں پہنچا رہے ہیں ——— پھر وہ ہاتھ میری کمر تک پہنچا۔ سر میرے سر سے مل گیا۔ ان کا گرم اور متعفن سانس، جس میں پائیریا کی بدبو اور خوردنی تمباکو کا بھبکا بھی شامل تھا میرے رخساروں سے باد سموم کی طرح ٹکرایا۔ آخر بہت سی عاشقانہ تمہیدوں کے بعد مدعا زبان پر آیا وہی کہ ——— "آج شب کو تشریف لایئے ———" میری طرف سے بھی اظہار التفات میں کمی نہ ہوئی۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ اپنے اصل چہرے پر گویا ایک کاروباری چہرا، مسکراتا ہوا، چمکتا ہوا، بہت افزا چڑھا لیا کرتی ہوں، وہ بھی ایک خوب صورت تحفہ میرے لئے لے کر آئے تھے اور اس کے بعد "شب کو تشریف لایئے گا" کا مطلب یہی تھا کہ نقد قیمت عنایت فرمائی ——— خدا خدا کر کے وہ تشریف لے گئے اور میں نے سر تکیہ پر رکھا۔ ابھی آنکھ نہ جھپکی تھی کہ ماما ایک خط لے کر آئی۔ یہ بھی ایک پیام الفت تھا معہ اس التجا کے کہ "آج شب کو تشریف لایئے" ناچار اٹھ بیٹھی، جواب لکھا کہ:

"میرے پیارے! آج طبیعت بہت خراب ہے۔ کل ضرور آؤں گی، تم سے جدا رہنا مجھے کب گوارا ہے، آج کی غیر حاضری معاف کرو ——— تمہاری جان نثار وغیرہ وغیرہ"

——— بارے آنکھ لگ گئی۔ کوئی آدھ ہی گھنٹہ سوئی ہوں گی کہ مراسلہ نگار عاشق زار جن کی میں ابھی ابھی جان نثار وغیرہ وغیرہ تھی، بیتاب ہو کر خود ہی تشریف لائے، بیچارے ضعیف العمر ہیں، پنجاہ و پنج، بالوں پر سفیدی کی نمود کافی ہے، داڑھی بھی رکھتے ہیں گو زیادہ لمبی نہیں۔ کمر میں اکثر درد رہتا ہے دائم المریض ہیں۔ ایک آنکھ سے ذرا کم نظر آتا ہے۔ گزشتہ موسم سرما میں داہنی جانب فالج کا اثر ہو گیا تھا مگر کیا کریں۔ باایں حال خراب مجھ پر مرتے ہیں، ان کی جیب پر ہے اس لئے میں بھی اس طرف مائل ہوں! میرا جواب پا کر اور یہ سن کر کہ میں نصیب دشمناں بیمار ہوں، بھاگے ہوئے گھبرائے ہوئے آئے جب وہ اس طرح تشریف لاتے ہیں تو پہلے چند منٹ دالان کے باہر ٹھہر کر اپنا سانس درست کرتے ہیں۔ تب اندر قدم رکھتے ہیں۔ میں یہ تماشہ گوشۂ چشم سے دیکھا کرتی ہوں۔ معمولی ادائے عشق یہ ہے کہ ہر ملاقات میں ایک دفعہ روتے ضرور ہیں! میرے گلے میں بانہیں ڈال کر یوں شروع کرتے ہیں "میری پیاری (میری پر زیادہ زور ہوتا ہے) میری پیاری (کبھی پیا پر زور اور کبھی ری پر) پیا...... پیار...... ی......" کہتے کہتے ایک ہی دفعہ ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ چند آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر داڑھی کے گھنے جنگل میں غائب ہو جاتے ہیں ——— تھوڑی دیر کے لئے ——— تاآنکہ وہ داڑھی ان قطرات خون جگر کو میرے رخسارہ تک پہنچا دیتی ہے۔ جب وہ یہ خراج محبت ادا فرما چکتے ہیں تب اپنی محبت کی ایک لاکھ دفعہ دہرائی ہوئی داستان پھر مفصل اور مشرح سناتے ہیں۔ اور کہیں کہیں مجھ سے داد بھی چاہتے جاتے ہیں "میری عمر دیکھو اور تمہارے عشق کے یہ صدمے ——— پیاری ——— واللہ کوئی دوسرا ہوتا تو مر جاتا ———" پیاری لفظ پیاری کثرت استعمال سے ان کی گفتگو کے ایک مستقل ردیف ہو گیا ہے۔ کبھی تین چار گھنٹے سے پہلے اٹھتے نہیں، جب اٹھتے ہیں تو دروازے تک جاتے جاتے داغ کے دو چار اشعار بھی سناتے جاتے ہیں! ہاں! کہنا بھول گئی کہ کبھی کبھی جب میں ان کے پاس ہوتی ہوں اور کوئی تیسرا نہیں ہوتا ——— خلوت کامل ہوتی ہے ——— تو گاتے بھی ہیں۔ کیا خوب گاتے ہیں ——— غرض یوں شام ہو گئی، پھر دوکانداری کا وقت آگیا۔

تم نے سنا یہ وہی لیلیٰ ہے جو کبھی کبھی تمہارے پہلو میں بیٹھ کر زندگی کا فلسفہ بیان کیا کرتی ہے! یہ وہ عورت ہے جس کے زخم تمہاری محدود نظر سے دور ہیں وہ اپنے وجود فانی کے عزیز ترین سرمایہ کو ہر روز اور ہر شب اس طرح فروخت کرتی ہے اسی کو تم "نخوردہ گزندہ" کہتے ہو، تم اس عورت کے تبسم میں اس درد و کرب کو نہیں دیکھتے جس نے اس کی زندگی کی ساری عمارت کو ہلا دیا ہے؟ تم اس جنازہ کو جس پر کمخواب و دیبا کی چادریں ڈال دی گئی ہیں موت کی تصویر نہیں دیکھ سکتے؟

تم سمجھتے ہو کہ یہ حسین عورت ہنستی ہے، تو واقعی وہ ہنستی ہے؟ تمہارے خیال میں وہ افعی کے زہر سے محفوظ ہے؟ اس نے کبھی افعی کے پیچ در پیچ جسم کو اپنے گلے میں لپٹا ہوا نہیں دیکھا کاش تم جانتے کہ تمہارے افعی کا نیش اس بدنصیب کے زخموں کے مقابلے میں ایک پھانس کی خلش سے زیادہ نہیں مگر تم کب جانتے ہو کہ ایک مٹھی بھر آٹے کے لئے یہ جوہر زندگی کس طرح ارزاں فروخت ہو رہا ہے! آؤ! ایک دن میری زندگی کے چند لمحے دیکھ لو۔ تم بھی کبھی رو دیتے ہو۔ اور سمجھتے ہو کہ یہ "عشق" ہے۔ مگر میں ہنستی ہوں، اس لئے کہ ہنسنا میرا پیشہ ہے اور اس لئے کہ رو نہیں سکتی ـــــ آنسو کہاں سے لاؤں؟ میری ہنسی میرا سرمایۂ تجارت ہے۔ سن لو اور یاد رکھو! کہ ایک خانماں برباد عورت کو جو چاہے کہو مگر طعنے نہ دو ـــــ تمہیں اس بدنصیب کی مصیبت معلوم نہیں ـــــ"

نواں خط

زندگی کا یہ ہنگامہ، انسان کے گناہ، اس کی کمزوریاں اور زبردستیاں، قوی کا ظلم ضعیف پر، طاقتور کا پنجہ کمزور پر، بڑی مچھلیوں کا کھلا ہوا منہ چھوٹی مچھلیوں کے لئے، چیونٹیوں پر ہاتھی کے پاؤں کا فنا کر دینے والا وزن، مغرور شہ سوار کا بدلگام گھوڑا اور سڑک پر چلنے والے اندھے بہرے کیا یہ سب تقدیر الٰہی ہے، نظام فطرت ہے؟ یہ اشرف المخلوقات کیا اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کا گوشت اور پوست نوچیں اور کھائیں! روٹی کے ایک ایک ٹکڑے پر، گیہوں کے ایک ایک دانے پر خون کی ندیاں بہادیں؟ کیا ساری دنیا انسان صورت درندوں سے اس لئے بھر دی گئی ہے کہ وہ خدا کی زمین پر کسی ایک گھر میں بھی سکون اور اطمینان باقی نہ رہنے دیں؟ ـــــ مگر آپ زندگی کے ان حقائق کے مطالعے میں کیوں اپنا وقت ضائع کریں آپ کو اتنی فرصت کہاں؟ آپ تو میرے عشق میں مبتلا ہیں! مرد جب عورت سے عشق کرتا ہے، عورت پر مرتا ہے تو اس کا صرف ایک ادنیٰ مگر بہت قوی جذبہ ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ یہ "عورت حسین ہے، یہ میرا شکار ہے، یہ تیرے نفس کا نذرانہ ہے!" مرد نے اپنے نفس کی راہشوں کا نام "عشق" رکھا ہے۔ اپنے ضمیر کے چہرے پر سیاہ غلاف چڑھاتا ہے کہ اس کا ضمیر نہ کچھ دیکھ سکے نہ سن سکے، مرد اپنے نفس کی مشعل روشن کرکے گناہ کا راستہ طے کرتا ہے۔ خدا کی کسی مخلوق کو اپنے ضمیر کو دھوکا دینے کا یہ کمال حاصل نہیں جو مرد کو حاصل ہے۔ اس اشرف المخلوقات کے لئے وجہ شرف گویا یہی فریب اور مکر ہے جس کا سب سے زیادہ استعمال عورتوں پر کیا جاتا ہے۔ عورت بھی مکر و فریب میں مرد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتی ہے۔ مرد بلا شبہ عورت سے اس فن میں بہت آگے ہے جب وہ کہتا ہے کہ میں فلاں عورت کو چاہتا ہوں تو اس کی خواہش کا صحیح ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں عورت سے بستر کی خلوت چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنی اس خواہش کے مکروہ چہرے کو الفاظ کے پردے میں چھپا دیتا ہے۔ عورت اس کے خوبصورت اور شیریں الفاظ سے دھوکہ کھاتی ہے۔ جیسے چڑیا جال کے اوپر بکھرے ہوئے دانے کو دیکھ کر ـــــ اور پھر اس عشق کے معنی اس وقت سمجھتی ہے۔ جب پانی سر سے گزر جاتا ہے! بدنصیب عورت کہا جاتا ہے کہ عورت فطرتاً حیلہ جو اور مکار اور مرد فطرتاً بھولا اور سادہ لوح ہے! اللہ! اللہ!! عورت کا مکر و کید اور مرد کی سادہ دلی، کوئی مجھ سے پوچھے، مجھ جیسی عورت کی زندگی اس دعویٰ کی سراسر تکذیب ہے۔ جب میرے عاشقان صادق میری خلوت میں تشریف لاتے ہیں تو مجھ سے پوچھو۔ میں ان کی "سادہ دلی" کے کیا کیا تماشے دیکھتی ہوں جس کو وہ عشق کہتے ہیں۔ وہ ایک غزل ہے۔ جس کا مقطع وہی خلوت بے ناموس ہے۔ جب وہ میرے پہلو میں آ کر بیٹھتے ہیں اور بسور بسور کر سوز و گداز عشق کا حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں "میں مرتا ہوں، میں تم پر جان دیتا ہوں۔ مجھے جیسی تم سے محبت ہے ایسی تو کبھی کسی سے نہیں ہوئی، تم میری جان و دل کی مالک ہو تیرے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔" تو میں دل میں ہنستی ہوں اور انکھیوں سے دیکھتی ہوں کہ اس اظہار التفات بے پایاں کے ساتھ وہ اب میری طرف کھسکتے آتے ہیں اس عالم بے اختیاری میں ان کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ کی طرف آتا ہے ان کا سر میرے شانے کی طرف، ان کا دوسرا ہاتھ میری کمر کی جانب اور میں اندازہ کر لیتی ہوں کہ غزل کا مقطع قریب پھر چند روز ان کا عشق کافی گرم رہتا ہے تا آنکہ ہوس کا اشارہ کسی دوسری جانب ہوتا ہے اور میرے باسی بوسوں کی تھکن کو وہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان کا عشق بھی رفتہ رفتہ جھکنے لگتا ہے اور وفور شوق کی واماندگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کسی دن وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی میری طرف نہیں آتے۔ کبھی سن لیتی ہوں کہ اب ان کے عشق کے سمند بادپا کی باگ کسی دوسری طرف پھر گئی ہے۔ اس کا نام "عشق" ہے اور یہ "عشق" ۹۵ فیصدی مردوں کا تمغہ امتیاز ہے۔ گھر کی بیویوں کے ساتھ ہو یا بازار کی عورتوں کے ساتھ۔ ان کے عشق کی نوعیت اکثر یہی ہوتی ہے۔ میخانے کے چپہ چپہ سے لے کر مسجد کے اونچے سے اونچے مینار تک بڑی سے بڑی مونچھ سے لے کر لمبی سے لمبی داڑھی تک مرد کی حقیقت یکساں ہے نا قابل تغیر ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

ایک مہربان اکثر تشریف لاتے ہیں "صرف گانا سننے کے لئے" ان کے اظہار حال میں لفظ "صرف" پر بہت زیادہ "تاکید ہوتی ہے وہ جب موقع پاتے ہیں تو اپنی اور اپنی بیوی کی باہمی الفت کی بہت خوش گوار داستان مجھے سنایا کرتے ہیں" میری بیوی لاکھوں میں ایک ہے۔ . . . وہ مجھے اس کے بغیر قرار نہیں آتا! قسم لو جو آج تک سوائے اس کے کسی دوسری عورت کی طرف نیت بھی کی ہو"۔ میں حیران ہوتی ہوں کہ خانگی زندگی کی ان برکات کے باوجود مجھ پر یہ کرم کیوں ہے؟ آخر ایک دن مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اس داستان کو سنتے سنتے عرض کیا کہ "حضرت! آپ جیسے خوش نصیبوں کے لئے ہم جیسوں کے سیاہ خانہ پر اس قدر آنا جانا ہرگز مناسب نہیں۔ زندگی کی وہ نعمت جو آپ کو اپنے گھر میسر ہے ہم لوگوں کے پاس کہاں؟ کچھ شرمائے کہنے لگے۔ "مجھے تو موسیقی کا شوق ہے اسی کی خاطر آپ کے یہاں آتا ہوں۔" میں نے عرض کیا کہ آپ کہیں تو آپ کی بیوی کو گانا سکھا دوں پھر آپ کو میرے ہاں آنے جانے کی زحمت برداشت کرنی نہ پڑے گی۔" بولے کہ "یہ تو ممکن نہیں، شرفاء کے دستور کے خلاف ہے۔" میں نے عرض کیا کہ اگر ان کو گانا سکھانا شرفا کے دستور کے خلاف ہے تو بازاری عورت کے گھر آنا بھی تو شرفا کا شیوہ نہیں سمجھا جاتا۔" زچ ہو گئے۔ کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگے "اچھا کوئی مزیدار غزل تو سنائیے ـــــ" خدا کی پناہ! موسیقی جو دیوتاؤں کا جادو ہے اس کو بھی ہوس پرست مرد نے اپنے نفس کی جائداد بنا لیا ہے وہ بازاری عورت کے حسن کی خوشہ چینی کرنے کے لئے موسیقی کا نام درمیان میں لاتا ہے مگر موسیقی کا کیا ذکر، وہ تو اپنی نفس پرستی میں بلا تکلف خدا کا نام بھی درمیان میں لاتا ہے۔ کسی نئی اور حسین تر عورت کو پہلو میں بٹھانے کی خواہش ہوتی ہے تو کہتا ہے خدا نے چار بیویوں سے نکاح کی اجازت دی ہے گویا خدا نے اجازت دی ہے کہ تم میرا نام لے کر عیاشی کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ موسیقی اور فنون لطیفہ تو کجا مردگی ہوسنا کیوں نے تو خدا اور پیغمبر کے نام کو بھی آلودہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔ ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

کائنات کا حسن حقیقی بھی اس کے نفس کے دسترخوان کی چٹنی ہے! عورت کا گانا وہ اس لئے نہیں سنتا کہ موسیقی اس کے دل میں کوئی سوز و ساز پیدا کرتی ہے۔ وہ عورت کی خاطر موسیقی کا ذوق ظاہر کرتا ہے! اس کے دل میں موسیقی کے ذریعے سے "عشق" پیدا ہوتا ہے میں موسیقی کے ان قدر دانوں کو خوب جانتی ہوں ـــــ خدا کی مار ان مکاروں پر! جب وہ میری موسیقی پر جھوم جھوم کر سر ہلاتے ہیں اور مست ہو ہو کر کودتے ہیں تو مجھ پر ان کے کیف و سرور کی حقیقت اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اکثر جی چاہتا ہے کہ بر سر محفل ان جھومنے والوں کے سر پر سارنگی کھینچ ماروں۔ یہ حیوان اپنے نفس کو قدرت کی نعمتوں کا اجارہ دار سمجھتے ہیں اور ان کا مجرمانہ استعمال اپنے لئے بالکل جائز سمجھتے ہیں قدرت نے انگور پیدا کیا اور انہوں نے اس کو سڑا گلا کر شراب بنائی کہ وہ

ان کے گناہوں میں ان کی اعانت کرے! قدرت نے پھول پیدا کیے اور انہوں نے ان پھولوں کو درختوں سے چن چن کر اپنے گناہ آلودہ بستروں پر کچلا اور مسلا، قدرت نے لوہا دیا اور انہوں نے ان کی تلواریں بنائیں اور پھر ان تلواروں کو ایک دوسرے کے خون سے رنگا۔ حفاظت جان و مال کے جس قدر سامان خدا نے عطا کیے وہ سب ظلم اور زبردستی کے لیے استعمال کیے گئے، خوشنوا خوبصورت پرندے جن کو جنگلوں اور باغوں کی زینت بنایا گیا تھا، پنجروں میں بند کیے گئے۔ ان کے نغمے آزاد نہ رہے۔ ان کے پروں کی طاقت سلب کر لی گئی اور یہی حال عورت کا ہوا! یہ حقوق ملکیت جن کا اعلان کیا جاتا ہے، جن کو جزو مذہب و اخلاق بتایا جاتا ہے، یہ تفوق فضیلت و برتری جس کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ مدرسوں میں مسجدوں اور خانقاہوں میں، یہ سب زبردستیوں کے ساتھ زبردستوں کی زبردستی کا اعلان و اشتہار ہے ـــــ اعلان و اشتہار نہیں ادّعا ہے، تم جو بار بار کہتے ہو کہ میں تمہاری زندگی کا سرمایہ ہوں۔ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ تمہارا بس چلے تو ایک خوبصورت چڑیا کی طرح مجھے پنجرے میں بند کر کے رکھو اور میرے حسن کا سرمایہ تمہاری نفسانیت کے کھاتے میں درج ہو جائے ـــــ حسن کے شقی القلب مہاجن! ـــــ

دسواں خط

اگر تم میرے ان پرزوں کو جمع کرتے جاؤ اور کسی دن چھپوا کر شائع کر دو تو ملک کے علمی حلقوں میں تمہارا نام عزت کے ساتھ لیا جائے یا نہ لیا جائے مگر مشہور خوب ہو جاؤ گے! بازارِ حسن میں میری دکان اس قدر کافی مشہور ہو چکی ہے کہ اب تم جیسے لوگ، مجھ سے نسبت قریب رکھنے والے، پھر ماشاءاللہ دولتمند، تعلیم یافتہ، میرا دامن پکڑ کر اچھے خاصے قومی لیڈر بن سکتے ہیں! اس زمانے میں قومی لیڈری کے لیے صرف ایک لمبی زبان اور بڑے سے نقارے کی ضرورت ہے جو کوئی کچھ عرصہ تک اخباروں میں "چھپتا" ہے وہ بڑی آسانی سے لیڈرِ قوم بن جاتا ہے۔ تم بھی اگر کہیں "چھپ" جاؤ تو رہنمائے ملت ہو جاؤ گے۔ یہ انقلاب جنسیت کچھ مشکل نہیں، مطبع کی سیر آدھ سیر سیاہی اور دو چار پتھر، ان دونوں کا مرکب لیڈر ہوتا ہے۔ اگر ہندوستان کے بزرگانِ ملت سے کوئی صاحب اپنی سارنگی میں ایک تار کا اضافہ کرنا چاہیں تو میں ان اوراق کا حق تصنیف ان کی نذر کر سکتی ہوں۔ یا اگر محراب و منبر کی قندیلوں کی زیادہ روشنی اور چمک درکار ہو تو وہ بھی ان اوراق کے خلاف احکام و فتاویٰ کا جہاد کر سکتے ہیں اور بلاشبہ ان کی شہرت و عظمت میں ایک بازاری عورت کی بے حیائی کے خلاف جہاد بہت کچھ اضافہ کر دے گا۔ وہ جب فرمائیں گے کہ ایک فاسق و فاجر عورت کے ادنیٰ جذبات کی ملک میں اشاعت ایک اخلاقی جرم ہے اور اپنے اس قول پر بہت کچھ "قال اللہ" "قال الرسول" پیش کریں گے تو کون ہے جو بجا و درست نہ کہے، جب وہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر اور عبا کی چوڑی آستینوں کو اکسا کر ایک چیخ ماریں گے اور کہیں گے کہ لوگو! اس فاحشہ کو سنگسار کر دو جو ہماری آئندہ نسلوں کی زندگی کے شفاف چشموں کو گدلا کر رہی ہے جو "حاملین شریعت حقہ" پر فقرہ بازی کرتی ہے تو معلوم نہیں میرا کیا حال ہو گا؟ کسی جمعیتہ علماء نے ـــــ دلی کی، کانپور کی، پٹنہ کی، دلدار نگر، فرخ آباد کی، بھکشو کی، اب تو جتنے "علمائے کرام" ہیں اتنی ہی جمعیتیں بھی ہیں، میرے مکان پر پکٹنگ شروع کرا دیا تو پھر میرے گھر امن و امان کا خاتمہ ہو جائے گا؟ بڑے بڑے شرفاء اور معززین کو میرے گھر آنے جانے میں سخت زحمت پیش آئے گی اور امن عامہ کا قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔ غرضیکہ ان اوراق کی اشاعت بہت سے مست بیلوں کے سامنے سرخ کپڑے کا کام دے گی اور ان کی آتش غضب میں میں تو جل بھن کر ختم ہو جاؤں گی ـــــ تفنن برطرف واقعہ تو یہ ہے کہ میں تو ہر مقدس عبا کے دامن پر سجدے کرتی۔ اگر وہی مقدس عبا والے میری سازمی کے آنچل پر سر نہ جھکائے ہوتے، یہ اوراق شائع ہوں یا نہ ہوں، مظلوم عورت کی آواز کو نفس پرست اور خود پرست مرد سنیں یا نہ ـــــ لیکن جو آواز بلند ہو چکی ہے وہ بند نہیں ہو سکتی، پانی کا وہ قطرہ جو مسلسل پتھر پر گرتا رہتا ہے ایک دن اس پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے، آج اپنی مظلومیت کا ایک حقیقت ناشناس، خود غرض اور ظاہر پرست دنیا کو یقین دلانا مشکل ہے، لیکن وہ دن بھی آئے گا جب پتھروں میں سوراخ ہو جائیں گے جب بڑے بڑے سرکش سر جھکانے پر مجبور ہوں گے! آج ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر جس قدر چاہو ہم سے نفرت کر لو۔ ہماری کمزوریوں کو مبالغہ کے ساتھ مشتہر کر کے جس قدر چاہو اپنے تفوق کی سند حاصل کر لو۔ آج بر سر بازار ہمارا اسلام قبول کرنا بھی ایک معزز اور مغرور مرد کی کسر شان ہے گو یہ اور بات ہے کہ وہی مرد ظلمتِ شب کی خلوت میں اپنے نفس کی خاطر ایک "فاحشہ" کے قدموں پر سر رکھ کر صبح کر دیتا ہو! کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ گناہ اس برے عمل کو کہتے ہیں جو چھپا نہ رہے اور ظاہر ہو جائے جو گناہ چھپا رہے وہ گناہ نہیں ہے، تمہارے اخلاقی دستور العمل میں رسوائی گناہ ہے۔ گناہ اگر راز ہو تو اس کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اگر جذام کے داغ لباس کے نیچے چھپے ہوئے ہیں تو تم ہرگز جذامی نہیں ہو، عیب تو صرف وہ ہے جو ظاہر ہو جائے۔ تمہارے اخلاق کی عمارت کا سب سے بڑا ستون انخفا ہے لیکن مرد اپنی زندگی کے اس دائمی فریب سے قطع نظر کر لیتا ہے اور عورت کی مکاری اور عیاری کی داستانوں سے دنیا کے کان بھر دیتا ہے۔ شاید تمہیں بھی میرے ہر لفظ سے بو سے مکر آئے گی۔

عورت مکار ہے، عورت مکار ہے، عورت جو مرد کی طرف قدم بھی نہیں اٹھا سکتی تاآنکہ مرد اس کی طرف خود ہاتھ نہ بڑھائے۔ وہ مکار ہے۔ عورت اپنے جذبات کو کبھی زبان پر نہیں لا سکتی تاآنکہ مرد قسمیں کھا کھا کر اپنے عشق کی داستان سینکڑوں دفعہ نہ دہرائے۔ مکار ہے، عورت جو عمر بھر ایک بڑے سے بڑے مرد کا دامن تھام کر زندگی کی تمام سختیاں سہہ جاتی ہے اور کبھی مرد کے مظالم کو زبان پر نہیں لاتی مکار ہے، وہ بغیر آنسوؤں کے روتی ہے وہ بغیر آواز کے چیختی ہے، وہ آنکھیں بند کیے رکھتی ہے اور دیکھتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے مگر زبان نہیں کھولتی اور صبر کرتی ہے۔ یہ سب عورت کا مکر و فریب ہے! اب مرد کی صداقت اور راست بازی بھی دیکھو، وہ عورت کی طرف آتا ہے۔ لب خشک اور آہ سرد بھی ساتھ لاتا ہے، عشق و محبت کا تمام ظاہری سامان لے کر آتا ہے۔ اس کی داستان عشق طویل ہوتی ہے۔ وہ فراق کے صدمے بیان کرتا ہے وہ جدائی کی سختیوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس طرح روتا ہے کہ گویا اس کا کلیجہ شق ہو جائے گا۔ اس طرح گڑگڑاتا ہے کہ گویا آسمان و زمین اس کے درد پر شاہد عادل ہیں، وہ عورت کا آنچل پکڑتا ہے اور اس آنچل کو عرش کے پایہ سے باندھ دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے "اے عورت! میری روح تیری روح کو بلا رہی ہے"۔ تو کمزور ہے میری جان! میں تیرا محافظ ہوں، تو کم عقل ہے، میں تیرے لیے عقل کی مشعل لے کر آیا ہوں، تو اپنی مدد خود نہیں کر سکتی، میں تیرا مددگار ہوں۔ تو ایک امانت ہے جو مجھے خدا نے دی ہے ـــــ" اس طرح کہے جاتا ہے ـــــ تاآنکہ ـــــ

اس کی آہ سرد حیوانی خون کی گردش میں گرم ہو جاتی ہے۔ لب خشک عورت کے ہونٹوں سے تر ہو جاتے ہیں، طویل داستانِ عشق ایک، اور تنہا ایک کامیاب حرف مدعا پر ختم ہو جاتی ہے۔ فراق اتصال جسمانی کے ایک کیف عارضی سے بدل جاتا ہے۔ عرش کے پائے سے بندھا ہوا آنچل زمین پر گر پڑتا ہے، عورت کی جو روح ڈھونڈی جا رہی تھی وہ ایک سراب میں غائب ہو جاتی ہے "میری روح تیری روح کو بلاتی ہے" کے بجائے مرد کا نفس پکارتا ہے کہ "اے عورت! میرا جسم تیرے جسم کا طالب ہے" فطرت کی گواہی نظر انداز کی جاتی ہے اور نفس کا دیوتا فیصلہ کرتا ہے کہ ہر ایک مرد کے نفس پر ہزار عورتیں بھی قربان ہو جائیں تو کم ہے "شب کی خلوت میں خدا کی دی ہوئی یہ امانت مرد کے نفس کی مملوکہ اور مقبوضہ ہو جاتی ہے۔ آخر اس کی خواہش کے طوفانی سمندر میں ہزاروں کشتیوں کی طرح یہ ایک کشتی بھی غرق ہو جاتی ہے، پانی میں چکر پیدا ہوتے ہیں پھر سطح برابر ہو جاتی ہے گویا کوئی کشتی ڈوبی ہی نہ تھی ـــــ شیر اپنے شکار سے سیر ہو کر ایک فاتحانہ آسودگی کے ساتھ آرام کرتا ہے! اس شیر کے خون آلود دانتوں کی دھار کا حال اس ہرنی سے پوچھو جس کے تمام تر وجود روحانی کو اس موذی کے دانتوں نے چھلنی کر دیا ہے ـــــ

جاؤ! خونِ جگر کے ان بے حساب قطرات کا حساب لگاؤ — جس سے تمہارے اس عہدِ جوانی میں — جس پر تمہیں ناز ہے — ہر مرو کو ناز ہوتا ہے، تمہاری تواضع کی گئی ہے۔ جاؤ!

گیارھواں خط

کبھی تم نے اپنی گزری ہوئی عمر کو اپنے ضمیر کے آئینے میں دیکھا ہے؟ اتنی استعداد بھی ہے؟ جوانی کی مستیوں نے اس آئینہ کے ٹکڑے کر ڈالے ہوں گے۔ پھر بھی کوئی ٹکڑا اگر باقی ہو تو ڈھونڈ کر گرہ میں باندھ لو۔ جب جوانی کا بھوت تمہاری گردن سے اترے گا — تو وہ ٹکڑا کام آئے گا۔

گذشتہ شب میں تنہا تھی، صرف اس لئے کہ تنہا رہنا چاہتی تھی، مردانہ عشق و ہوس کے مظاہرے مجھ پیشہ ور کو بھی کبھی کبھی تھکا دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ میری خلوت کے حصہ دار حاضر نہ ہوں — وہ کب حاضر نہیں رہتے، ایک نہ ہو گا تو کوئی دوسرا ہو گا۔ مگر اصل یہ ہے کہ میں نے سر درد کے بہانے سرِ شام ہی مکان کا دروازہ بند کرا لیا تھا۔ پھر بھی "خاں صاحب" تشریف لائے، اور آوازیں دے کر واپس گئے۔ "میر صاحب" بھی دروازہ پر بہت دیر تک کھانستے کھنکھارتے رہے۔ "شیخ جی" بھی کچھ دیر سڑک پر ادھر ادھر پھرتے رہے، آخر چلے گئے۔ "ساہو صاحب" نے بھی اپنی موٹر کا ہارن بہت دیر تک میری دیوار کے نیچے بجایا، افسوس ہے کہ مایوس ہو گئے۔ "اڈیٹر صاحب" نے بھی دو تین چکر لگائے مگر مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ "وکیل صاحب" کا آدمی بھی آیا مگر دروازے پر دو چار ہاتھ مار کر لوٹ گیا۔ اس طرح میرے حسن کے تمام چوکیدار آدھی رات تک آوازیں لگا لگا کے گھروں کو سدھارے۔ میں نے سر تکیے پر رکھا اور نیند کا انتظار کرنے لگی — یہ گویا میری شب تعطیل تھی۔

شام بستر کی چادر اور تکیوں کے غلاف سب بدلوا دیے تھے۔ تم نے ایک روز خوب کہا تھا کہ اس بستر میں قسم قسم کے عشق مرکب کی بُو آتی ہے۔ کبھی کبھی خوب کہتے ہو، ظریف ہو مگر حیف کہ فلسفی نہیں، عاشق کو فلسفی ضرور ہونا چاہیئے۔ غرضیکہ اس "عشقِ مرکب" سے گھبرا کر شام میں نے سارا بستر بدلوا دیا تھا، ہائے تمہیں معلوم نہیں کہ اس بستر کا ہر تار کس قدر آلودہ ہے۔ تمہیں معلوم ہوتا تو میرے بستر پر کبھی قدم نہ رکھتے۔ میرے بستر کے تکلفات کو دیکھ دیکھ کر تم کیسے کیسے پیچ و تاب کھاتے ہو۔ گویا کہ چادر کی ہر شکن میں تمہارا ایک رقیب پوشیدہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ کچھ غلط بھی نہیں! مگر تم ان احمقوں کو کیا کہو گے جو اس بستر پر آرام کرنے کے لئے مرے جاتے ہیں، گویا وہ دوسروں کا منہ کالا دیکھ کر رشک کرتے ہیں کہ ان کا منہ کیوں کالا نہ ہوا؟

میری نیند میری نہیں، حسن کے ساتھ نیند بھی فروخت کرنی ہوتی ہے۔ مرد کا مطالبہ فطرت کے تقاضوں کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جس عورت کو مرد نے شب بھر کے لئے خرید اور اس کے سارے قویٰ دماغی اور جسمانی گویا مرد کی جائداد ہو گئے۔ ہنسے تو وہ ہنسنا اس کا نہیں، روئے تو رونا اس کا نہیں، خوابگاہ اس کی نہیں۔ بستر اس کا نہیں۔ جو کچھ ہے سب "مرد" لوٹتا کا ہے۔ وہ: عورت پن، وہ نسوانیت جس کے وضع کرنے میں فطرت نے اپنی تمام شعریت اور اپنی انتہائی صنعت صرف کی۔ ماں کی کوشش ضرور میرا حصہ تھی مگر اب نہیں۔ میں نے بھی قدرت کے خوانِ نعما سے اپنا حصہ پایا تھا۔ میں بھی اپنی پونجی لے کر دنیا میں آئی تھی مگر اب نہیں! اب میرا وجود ظاہری ایک زرکار خریطہ ہے جس کے اندر کبھی زندگی کی ایک دستاویز رکھی ہوئی تھی۔ وہ دستاویز گم ہو گئی۔ مگر خریطہ پر ظاہر پرستوں کا ہجوم ہے۔ کاغذی قندیل کا کاغذ بے شک خوبصورت ہے مگر اندر کا چراغ روشن نہیں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد پھر اپنی شب کی بپتی سناتی ہوں۔

رات میری خوابگاہ میں کوئی نہ تھا۔ مگر ایک شمع جو فرش پر رکھی ہوئی جل رہی تھی کچھ سوچتے سوچتے میری نظر اس شمع پر پڑی — نظر پڑی اور وہیں جم گئی۔ میں اس حالت میں تھی کہ نہ سو رہی تھی نہ جاگ رہی تھی۔ آنکھیں جھپک رہی تھی مگر دماغ ہوشیار تھا۔ کمرے کی تاریکی میں شمع کی لو گویا سیاہ چادر کا ایک شگاف تھا، ایک حلقہ تصویر تھا جس سے باہر کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس روشنی میں کچھ متحرک اجسام بھی تھے۔ ہر تصویر اس دریچہ کے سامنے سے گزرتی تھی اور میں اس کو پہچانتی جاتی تھی۔ یہ میری استانی کا کمرہ ہے۔ اس کے دروازے پر میں اپنی گڑیا سنبھالے کھڑی ہوں — ایک حسین عورت مجھے بلا رہی ہے وہ میری ماں ہے — ایک خوش رو متین اور دراز قد شخص میری طرف آ رہا ہے وہ میرا باپ ہے — یہ خوبصورت عمارت میرا اسکول ہے — ہم کہیں جا رہے ہیں، ریل گاڑی کا اسٹیشن ہے — میرے والد کے ساتھ ایک خوش رو نوجوان ہے مردانہ حسن کی ایک تصویر، جو ہنوز مکمل نہ ہوئی تھی۔ یہ میرا منگیتر ہے جس کے سایہ میری جوانی اور میرا بڑھاپا گزرنا چاہیئے تھا — میں اس کی طرف نیچی نگاہوں سے دیکھ رہی ہوں، اس طرح کہ گویا دیکھ نہیں رہی۔ میرے جسم میں ایک ناقابل بیان لرزہ ہے۔ آغازِ زندگی کی اس لرزش کا ترجمہ قلم اور زبان کی طاقت سے باہر ہے۔ عورت کی جوانی کی وہ پہلی لرزش تھی جو اس دن اسٹیشن پر میرے جسم میں پیدا ہوئی! مرد عورت کی اس کیفیت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتا — شمع کی لو بھی لرز رہی ہے — پھر ایک بائیس سالہ جوان رعنا اس دریچہ کے سامنے سے گزرا — یہ میرا پہلا مرد ہے جس نے مجھے عورت بنایا مگر بیوی نہ بنایا جس نے مجھے میری شاخ سے پھول چن کر چند روز گلے کا ہار بنایا اور پھر مسل کر بدرو میں پھینک دیا۔ جس ظالم نے میری دوشیزگی کو وہاں پہنچا دیا۔ جہاں اب تم دیکھ رہے ہو! جس نے مجھے وہ بنا دیا جو میں اب نظر آتی ہوں — کھڑکی میں سے ہوا کا ایک جھونکا آیا، شمع کی لو کانپی اور گل ہو گئی! میری آنکھ لگ چکی تھی۔ تاہم فانوسِ خیال کا یہ پیکر دماغ کے کسی گوشے میں جہاں غیر کا تخیل نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی ایسی تصویر چھپائے رکھتا ہے جو میری گزری ہوئی زندگی کی مکمل تصویر ہے — محبت کے اس محفوظ سرمایہ میں میرا کوئی شریک نہیں۔ رات میں نے شمع کی لرزتی ہوئی لو میں پھر ایک دفعہ وہ تصویر دیکھ لی گویا میں پھر اپنی پہلی زندگی میں — دوشیزگی کی زندگی میں واپس چلی گئی ہوں۔

لیکن صبح کی روشنی میں میری یاد کے اس خزانے پر اژدھے بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں سے ایک تم بھی ہو! اس خزانہ تک میں نہیں پہنچ سکتی تم لوگ وہاں مجھے پہنچنے نہیں دیتے۔ اپنی حسن پرستی کے ہنگاموں سے تم نے میرے تخیل کے راستے تک بند کر دیے ہیں۔ تمہاری عشق بازیوں میں مجھے اس کی بھی فرصت نہیں کہ خلوتِ خیال میں ایک لمحہ فارغ ہو سکوں! — صبح آنکھ کھلی تو شمع ختم ہو چکی تھی اور سورج کی شعاعیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ شمع کس قدر جلد پگھلتی ہے، جس قدر تیز جلتی ہے۔ اسی قدر جلد ختم ہوتی ہے میری زندگی کی شمع اب بہت تیز روشن ہے اور انشاء اللہ بہت جلد گل ہو گی۔ اپنی زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لٹا رہی ہوں، تم اور تم جیسے سب آئیں اور مجھ خانہ برانداز زندگی کی پونجی کو جلد سے جلد لوٹ لیں! یہ سرمایہ میری گردن پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے، لوٹ لو، جس قدر لوٹ سکو، مجھ پر تم لوگوں کا احسان ہو گا۔!!

بارھواں خط

لوگ جب قے کرنا چاہتے ہیں تو سکنجبین پی کر حلق میں پر ڈالتے ہیں مجھے قے کرنے کے لئے اس عمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ سکنجبین پیتی ہوں نہ پر استعمال کرتی ہوں۔ اس سے زیادہ آسان اور زود اثر ترکیب یہ ہے کہ اپنے عشاق میں سے دو چار کے محبت نامے پڑھ لیتی ہوں اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے — تم لوگوں کی دروغ بافیاں کس قدر گھناؤنی ہیں! — وہ عبارت آرائیاں، بیانِ حالِ دل کی وہ رنگینیاں، میرے حسن کے ساتھ کاغذ کے پردے میں ان کا وہ اختلاط۔ نثر میں داستانِ عشق اور نظم میں احوالِ الفت یہ کڑوے گھونٹ اس قدر پینے پڑتے ہیں کہ اگر میں فلسفی نہ ہوتی تو ان رنجشاتِ عاشقانہ اور تم لوگوں کے اس ہذیانِ نفس نے مجھے پاگل کر دیا ہوتا! تم لوگ جب میرے حسن کی تعریفوں کے چاند اور سورج سے بلند تر مینار بناتے ہو، جن کی بنیاد محض کاغذ پر ہوتی ہے تو میں تمہاری عقل کی پستی پر آنسو بہاتی ہوں۔ تم لوگ جانتے ہی نہیں کہ حسن اور بدصورتی میں کتنا فاصلہ ہے تم اگر پھول کی تعریف کرتے ہو تو کیا حقیقی حسن پھول کے مانند ہے؟ تم دن کو روشن اور رات کو تاریک

کہتے ہو تو کیا یہ دن اور رات کی کوئی قدرتی خصوصیت ہے؟ تمہارا دماغ صحیح ہو تو اس ذرا سے نکتے پر غور کرو کہ اچھے، برے، خوش اور ناخوش، سیاہ اور سفید یہ تمام امتیازات اشیاء کے نہیں ہیں۔ بلکہ تمہارے دماغ کی کیفیات کے ہیں فی نفسہ نہ کچھ اچھا ہے نہ برا ہے۔ نہ سیاہ ہے۔ نہ سفید۔ تم نے یہ سب نام رکھ لئے ہیں۔ جو چیز تم کو خوشگوار معلوم ہوئی وہ اچھی، جو چیز تمہارے کانوں اور آنکھوں کو بری معلوم ہوئی وہ بری۔ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق ہر چیز کی نوعیت قرار دیتا ہے۔ تعریف کرتا ہے یا مذمت۔ مرد، عورت کی نسبت جو معیار اپنے نفس کی تواضع کے لئے قائم کرتا ہے اس کو عورت سے بھی منوانا چاہتا ہے گویا کہ اس معاملے میں عورت کو اختیار تمیزی قطعاً حاصل نہیں۔ وہ صرف اس لئے ہے۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بہ باید گفت اینک ماہ و پروین!

مرد دن کہے تو ہم بھی دن کہیں، وہ رات کہے تو ہم رات کہیں۔ ایک صاحب اگر اپنی مونچھوں کی نوکوں کو بلند کر کے قیصر جرمنی بن جاتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کا فرض ہے کہ وہ ان کی اس ادا کو پسند کرے، یا اگر کسی صاحب نے انگرکھا اپنے جسم پر چپکا لیا ہے تو وہ مطمئن ہے کہ کوئی عورت ان کی طرف بغیر متاثر ہوئے نہیں دیکھ سکتی؛ اگر کسی صاحب کے سر کے بال اچھے بنے ہوئے ہیں تو وہ متوقع ہوتے ہیں کہ عورت ضرور ان کے بالوں پر فدا ہو جائے گی: میں نے اکثر خود پرست عشاق کے ہجوم میں ان نکات پر غور کیا ہے۔ میں اگر کسی صاحب کی آواز میں کشش پاتی ہوں تو وہ اپنے گھونگھر والے بالوں کی داد چاہتے ہیں، میں کسی صاحب کی سادہ وضع کو پسند کرتی ہوں تو وہ مجھے رجھانے کے لئے چھیلا بننے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اگر مجھے کسی صاحب کا طرز کلام پسند ہے تو وہ خود اپنی جامہ زیبی پر مفتون کرنا چاہتے ہیں۔ عورت اور مرد کی نفسیات کس قدر مختلف اور ایک دوسرے سے بعید ہیں! مرد ایک خود مختار بادشاہ کی طرح متوقع ہوتا ہے کہ جس بات کو میں اچھا کہوں، اسی بات کو عورت بھی اچھا کہے۔ جس چیز کو میں اچھا سمجھوں وہی عورت کو بھی بھائے۔ یہ عورت کا فرض ہے اس لئے قانون ساز ہم ہیں، تفوق ہم کو حاصل ہے، حاکم ہم ہیں، قانون ہمارا ہے۔

تم اپنے طویل، الفاظ سے پُر اور معنی سے خالی خطوط میں اپنے عشق و ابتلا کی جانب کیسے کیسے اپنی دانست میں لطیف اور میری رائے میں بھدے اور بھونڈے اشارے کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ عورت کے دل کو قابو میں لانے کے لئے یہی انداز بیان مناسب ہے، حالانکہ تمہیں خبر نہیں کہ میں دل ہی دل میں تمہاری ان عاشقانہ لغویات یا لغو عشقیات سے کس قدر استہزاء کرتی ہوں۔ تمہارے خطوط کا ایک انبار میرے پاس موجود ہے اور ڈرتی ہوں کہ یہی ذوق و شوق اگر چند روز جاری رہا تو میرے گھر میں کتنے بکس اس ردی سے بھرے جائیں گے۔ جب کبھی میرے مرکز کے جلسے میں کسی اخبار کا ایڈیٹر یا مطبع کا مالک آکر پھنسے گا تو میں اس سے فرمائش کروں گی کہ وہ ان جواہر ریزوں کو ضرور شائع کر دے، اس وقت تک آپ غالباً خودکشی کر چکے ہوں گے اور اس اندوہ ناک واقعہ کے بعد غالباً آپ کے نام کی اشاعت بھی نامناسب نہ ہو گی۔ آپ کی ان "ادبیات" سے ایک دنیا لوٹ جائے گی اور نقادان سخن ان صفحات پر کیا کیا سر دھنیں گے، آپ کی خاطر ان ملفوظات پر میں خود ایک مقدمہ لکھ دوں گی گو کہ یہ کام تو دراصل قیس بن عامری کے لئے موزوں ہوتا۔

تو غرض آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ میں اظہار التفات عاشقانہ کے ان بے مثل نقوش کو ضائع کر دیتی ہوں یا بقول آپ کے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہوں۔ کم از کم اس کا یقین دلاتی ہوں کہ اگر میری نسل میں میرے نام کا کوئی لینے والا باقی رہا ——— جس کی بظاہر کوئی امید نہیں ——— تو آپ کی اس ادبی مصوری کا پلندہ میرے بعد نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً ایک یادگار کی طرح محفوظ رہے گا اور یہ سمجھ کر کہ میں آپ کے التفات بے پایاں کی قدر نہیں کرتی دل شکستہ نہ ہو جیئے اور اپنی غیرت مردانہ کو ٹھیس نہ لگائیے۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے۔

تم اس خط کو پڑھتے جاؤ گے اور خفا ہوتے جاؤ گے۔ میں جانتی ہوں لیکن ایمان سے کہتی ہوں کہ تمہاری شکایت کے جواب میں جو کچھ عرض کیا اس سے کم یا اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کسی دن تم آؤ گے تو میں تم کو تمہاری جیسی اور بھی بہت سی تصانیف دکھاؤں گی۔ القاب و آداب اور اشتیاق ملاقات و دیدار "وصل" سے لے کر "تم پر جان فدا کرنے والا" "نامراد، ناکام، ناشاد، غم نصیب" تک یہ سب نسخے یا تو تمہارے خطوط کی نقل ہیں یا تمہارے خطوط ان صفحات کی! شاید اپنی ان "فکاہات" کے جواب میں تم چاہتے ہو کہ میں بھی بہت سا وقت اسی طرح ضائع کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ کہ میں دکانداری کروں، روزی کماؤں، نان شبینہ کا وسیلہ ڈھونڈوں، اپنے گاہکوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی فکر کروں یا بیٹھی ہوئی تمہارے ادبی مذاق، نکتہ سنجی اور قلم کی روانی کی داد دیا کروں، میرے خطوط کی تم بہت حیران ہو ہو کر تعریفیں کیا کرتے ہو، گویا تمہارے خیال میں انشا پردازی صرف مردوں ہی کا حصہ ہے باوجود اس قدر دلچسپ خطوط کے جو میں تم کو لکھتی ہوں تم جو میری کم التفاتی کا گلہ کرتے ہو تو یہ نہیں دیکھتے کہ میرا یہ التفات کیا کم ہے کہ میں تم کو اپنے دل و دماغ کی یہ تصویریں بھیجا کرتی ہوں۔ میری کتاب زندگی میرے عشاق کے لئے سربمہر ہے۔ آج تک بہت سے آئے اور بہت سے چلے گئے۔ ادعائے عاشقی کے ساتھ روتے ہوئے چلے گئے۔ قسم لو جو اس کتاب کا ایک ورق بھی اس کے سامنے کھولا گیا ہو۔ میں تم کو چاہتی ہوں ——— بہت تھوڑا سا، خفیف سا چاہتی ہوں ——— بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم کو دھوکا دینا نہیں چاہتی ——— مگر تم اڑے ہوئے ہو کہ مُردہ کو قبر سے نکال دو، اس راکھ کے ڈھیر کو نہ کریدو مبادا کوئی چنگاری نکل آئے اور ناحق تمہاری انگلیاں جل جائیں۔ حاصل کچھ بھی نہ ہو گا، یاد رکھو کہ یہ ناپاک جسم کتنے ہزار مردوں کے سامنے عریاں ہو گئے مگر یہ روح پھر بھی کسی کے سامنے عریاں نہ ہو گی ——— ہاں، مگر جب وہ شخص آئے جس کو میری روح کے عریاں دیکھنے کا حق اور حوصلہ ہو! تمہارا جی گھبرایا کرے تو شام کے چار بجے کے قریب گھر آ جایا کرو اور بیٹھے ہوئے دیکھا کرو کہ جس طرح تم اپنے عاشقانہ خطوط میں اپنے عشق کی داستان بنا سنوار کر بیان کرتے ہو، میں بھی تم جلیسوں کے لئے اپنے حسن کی دمک میں اضافہ کرنے کی کوششیں کیا کرتی ہوں۔ دیکھا کرو کہ پلکوں کی نوکیں کس طرح نوکدار بنائی جاتی ہیں، دشنۂ مژگاں کس طرح تیز کئے جاتے ہیں۔ بال کس طرح سنوارے جاتے ہیں، رخساروں کو کس طرح سرخ بنایا جاتا ہے۔ ناخن کیونکر خوبصورت بنائے جاتے ہیں۔ تیغ ابرو کو کس طرح "آلہ دھاردار" بنایا جاتا ہے، آنکھوں میں کیونکر سرخ ڈورے پیدا کئے جاتے ہیں ——— پھر میرا تمہارا مقابلہ رہے، میری تمہاری صناعی اور خیال آفرینی کا مقابلہ ہو ——— میں ہر روز کوئی نئی ایجاد کروں اور تم ہر روز ایک نئے انداز سے قصیدہ خوانی کرو۔

تیرھواں خط

قدرت کے دو بچوں نے کہا "آؤ ایک کشتی بنائیں"۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی کشتی بنائی۔ محبت سے اس کے تختے جوڑے اور اس کو اپنے باغ کے خوبصورت تالاب میں ڈال دیا۔ جہاں موسم بہار کی معطر ہوائیں اس ننھے سفینے کو پانی کی ہلکی لہروں پر جھولا جھولایا کرتی تھیں۔ وہ کشتی کاغذ کی نہ تھی، نہ لکڑی کی تھی۔ نہ لوہے کی، لیکن کاغذ سے بھی زیادہ نازک تھی، مگر اس کے بنانے والے نہ جانتے تھے کہ ایسی کشتیاں کس قدر نازک ہوتی ہیں۔ شاید انہوں نے یہ سمجھا کہ ایک چھوٹے سے تالاب کے بے موج اور بے طوفان پانی کے لئے کشتی کو مضبوط بنانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھول گئے کہ تالاب کی کشتی کو بھی کسی دن طوفان خیز سمندروں اور تیز دریاؤں میں جانا پڑتا ہے۔ تالاب بھی دریا اور سمندر بن سکتا ہے ——— وہ خطرات کو بھول گئے مگر بھول جانے سے خطرات کم نہیں ہوا کرتے۔ یہ خدا کا نہ بدلنے والا قانون ہے ——— !"

برسات آئی۔ ایسی برسات آئی کہ چاروں طرف سے نالے، چشمے اور دریا امنڈ آئے۔ پھولوں کی کیاریوں کو پانی کی چادر نے ڈھانک لیا۔ جنگل کے درخت پانی کی قوت اور ہوا کے طمانچوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ زمین کا کوئی نشیب ایسا نہ تھا جس پر پانی نے قبضہ نہ کر لیا ہو۔ قرب و جوار کی جھیلیں پانی سے لبریز ہو کر چل نکلیں اور انہوں نے گویا ایک دوسرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر انسانوں کی آبادیوں کو گھیر لیا۔ بڑے بڑے میدان جزیرے بن گئے۔ ننھی کشتی والا تالاب بھی دریا ہو کر بہ نکلا۔ اس کی ذرا سی کشتی جو ہوا کا ایک جھونکا بھی نہ سہار سکتی تھی، سیلاب کے آغوش میں پھنس گئی۔ وہ اس کو لھکاتا ہوا لے چلا ——— منزل فنا کی طرف ——— جنگل کے بادشاہ کی طرح جو بے خبر چکارے کو منہ میں بھر کے لے جاتا ہے۔ یہ سیل فنا اپنا شکار لے کر چل دیا ——— جب تک اس ننھے سفینے میں دم تھا ——— اور دم ہی کتنا تھا ——— اس نے سنبھلنے کی کوشش کی، لیکن کوئی سہارا نہ تھا۔ کشتی والے بے خبر تھے۔ انہوں نے کس محنت سے یہ سفینہ بنایا تھا اور کس بے پروائی سے اس کو بھول گئے۔ تالاب کے پانی اور برسات کی ہواؤں نے یوں گویا کہ دونوں کی سازش تھی ایک دو دن اس شکستہ لنگر کشتی کو ادھر ادھر گھسیٹا اور پھر ایک آخری جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔

ایک طرف کیچڑ میں جہاں مینڈک بول رہے ہیں اور جھینگر شور مچا رہے ہیں، درختوں کے گرے ہوئے پتے سڑ رہے ہیں، چند گلے ہوئے تختوں کا ایک انبار پڑا ہے کچھ کیچڑ میں، کچھ کیچڑ کے باہر۔ کسان جب صبح کو اپنے کھیت کی طرف جاتا ہے تو اس کوڑے پر جو متعفن ہو چکا ہے پاؤں رکھتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس بے خبر کو کیا معلوم کہ اس متعفن کوڑے کے ڈھیر میں کسی کشتی کے چند تختے بھی پڑے ہوئے گل رہے ہیں جس کو بنانے والوں نے بڑے شوق سے بنایا تھا۔

کاش! ان بے خبر کشتی والوں کو بلائے، اگر چاہیں تو ان تختوں میں اب بھی اتنی سکت باقی ہے، پھر اپنی کشتی بنا لیں۔ وہ ایسی مضبوط تر نہ ہو گی جیسی پہلے تھی مگر کسی چھوٹے سے باغیچہ کی نہر میں اب بھی پڑی رہ سکتی ہے، ورنہ کچھ روز بعد یہ تختے بھی گل سڑ کر چند خاک ہو جائیں گے۔ ان غافلوں نے ایسی ہزاروں لاکھوں کشتیاں بنائی ہیں، پانی میں ڈالی ہیں، توڑی ہیں، غرق کی ہیں اور کیچڑ میں پھینک دی ہیں۔ کہیں کوئی ملاح ہے جو اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختوں کو جوڑ دے ——— جو اس کشتی کے لئے بادبان اور لنگر کہیں سے لا دے۔

میرے مہربان! یہ پہیلی جو بیان کی گئی ہے، آپ بیتی ہے۔ جوانی کا خون جب گرم ہوتا ہے ——— مرد کا خون ——— تو یہ پہیلیاں سمجھ میں نہیں آیا کرتیں۔ یہ ایک آگ جو تمہارے کلیجہ میں روشن ہے۔ یہ جو آتش سیال تمہاری رگوں میں موجود ہے، اس کی گرمی ذرا کم ہو لے دو۔ سرسام کم ہو بخار اترے، حواس درست ہوں تو پھر ایک مرد کی طرح ایک عورت کی داستان سن لینا۔ ابھی تو نہ تم صحیح معنی میں مرد ہو نہ میں تمہارے لئے صحیح معنی میں عورت ہوں۔ ہم دونوں فی الحال محض حیوان ہیں ——— نر اور مادہ۔ تم سمجھتے ہو کہ تم میرے عاشق نثار ہو، تم کچھ بھی نہیں۔ ایک داڑھی مونچھ والے شیر خوار ہو جو دہکتے ہوئے انگارہ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور خوش ہو کر ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے اور جب اٹھا لیتا ہے تو ہاتھ کے چھالوں کی سوزش سے بیتاب ہو کر چلاتا ہے۔ "ہائے! میں مرتا ہوں ——— لیلیٰ پر مرتا ہوں ——— پھر یہ چھالے چند روز میں اچھے ہو جاتے ہیں۔ وہی ہاتھ پھر روشنی کی جانب پھیلنے لگتا ہے۔ پھر نئے انگارے چھو لیتا ہے اور پھر چھالوں کو ہرا کر لیتا ہے، پھر اچھا ہوتا ہے ——— پھر زخمی ہوتا ہے ——— پھر زخمی ہوتا ہے ——— پھر زخمی ہوتا ہے ———

اس خواب پریشاں کی تعبیر کم ملتی ہے، اور ملتی ہے تو بہت دیر میں ملتی ہے۔ اگر تعبیر تمہیں مل جائے تو میرے پاس آ جانا۔ میں ایک اجڑی ہوئی زندگی کی داستان ہوں اس کے سننے والے اس دنیا میں کم ہیں۔ جس دن وہ داستان کہنے بیٹھوں گی اس دن کہوں گی کہ میری طرح لاکھوں خانماں برباد عورتوں کو اے پاجی مرد تیرے عشق کی ضرورت نہیں، رحم کی ضرورت نہیں، اے ظالم! انصاف کی ضرورت ہے!

چودھواں خط

تم نے کل ایک نوجوان سرو قامت غاز کو میرے گھر بیٹھے دیکھا ہو گا۔ کچھ دنوں پہلے یہ غریب ایک سخت مرض کے شدید دورہ میں مبتلا تھے۔ ان کو گمان یہ تھا کہ میں ان کو چاہتی ہوں۔ میں نے ہزار کوشش کی کہ یہ خیال ان کے دل سے نکل جائے مگر وہ یہ سمجھتے رہے کہ میں ان پر مرتو رہی ہوں مگر اپنی نسوانی شرم و حیا کے باعث ان سے اظہار محبت نہیں کر سکتی ——— کرسکتی نہیں ——— وہ شاید منتظر تھے کہ کسی دن میں بیتاب ہو کر ان کے پاؤں پر سر رکھ دوں گی، میری کج ادائیوں کو وہ عشق کی پردہ داری سمجھتے تھے۔ میرا ان کا واسطہ اس دن سے ہے جس دن تم نے پارک میں مجھے ان کے ساتھ دیکھا تھا۔ پہلی شب کی قیمت بہت زیادہ تھی ——— بڑے بڑے سودے کرتی ہوں۔ اس شب کو بیچارے بہت انداز کے ساتھ میری خواب گاہ میں تشریف لائے۔ ان کے ناز و انداز کو دیکھ کر میں اپنا ناز و انداز بھول گئی۔ غضب یہ کہ جب تخلیہ میں میرے پاس بیٹھے تو بار بار اپنی پنڈلیوں اور بازوؤں کی گولائی اور جسم کے تناسب کا مظاہرہ کرنے کی کوششوں میں بہت سا وقت ضائع فرمایا بجائے اس کے کہ مجھ سے "اقدام رندانہ" فرماتے اس کے متوقع تھے کہ میں ان سے اقدام رندانہ کروں! دیر تک بہت ہی معشوقانہ انداز میں میرے تکیہ پر کہنی جمائے ہوئے بیٹھے رہے۔

میں نے انگڑائیاں لینی شروع کیں، وہ دوسرا پہلو بدل کر بیٹھ گئے۔ مجھے جمائی آئی تو انہوں نے اپنے بالوں کو درست کرنا شروع کر دیا۔ میں نے دق ہو کر پہلو بدلا تو وہ اپنے پاجامہ کو پنڈلیوں پر ٹھیک کرنے لگے۔ میں نے کچھ گنگنانا شروع کیا تو وہ اپنے ہاتھ کی سنہری گھڑی کا تسمہ درست کرنے لگے۔ غرضیکہ میرے انتظار کی حد ہو گئی اور جب ان کو کسی طرح جارحانہ طرز عمل پر آمادہ نہ کر سکی تو آخر زچ ہو کر میں نے طے کر لیا کہ اب ذرا ان کا دماغ درست کیا جائے۔ میری ان کی گفتگو سنو!۔

میں: اس وقت مزاج کیسا ہے!

وہ: جی شکر ہے، اچھا ہوں!

میں: آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا!

وہ: ایک عورت کو ایک مرد کیوں یاد کرتا ہے؟

میں: آپ ہی بتائیے۔

وہ: میں کیا بتاؤں! آپ سمجھ جائیے!

میں: صاف کہیئے مطلب کیا ہے؟

وہ: مطلب! مطلب تو وہی ہے جو ہر مرد کا عورت سے ہے!

میں: یعنی!

وہ: اب میں کیسے سمجھاؤں؟

میں: کچھ تو کہیئے!

وہ: ایں۔ ایں . . . . .

میں: لعنت بر کار شیطان! کہتے کیوں نہیں کہ تم مجھ سے اپنے روپے کا معاوضہ چاہتے ہو۔

وہ: ٹھیک ہے! میں تمہیں چاہتا ہوں۔ بہت عرصہ سے تم پر مرتا ہوں۔

میں: چاہنے اور مرنے کو تو سامنے طاق پر رکھ دو ——— تم نے دام دیئے ہیں مجھ سے قیمت وصول کر لو۔

وہ: (حیران ہو کر) کیا کہا؟ میں تو تمہاری محبت چاہتا ہوں!

میں: جناب عالی! محبت خریدی نہیں جایا کرتی ——— بکا نہیں کرتی۔

وہ: پھر کیا تمہیں مجھ سے نفرت ہے!

میں : تم سے نفرت ہی سہی، تمہارے پیشہ سے تو نفرت نہیں ہے!

وہ : مگر میں تو تمہیں چاہتا ہوں، میری ہو جاؤ۔

میں : یہ کیا فضول بکواس ہے، صاحبزادے! تم نے میرا جسم آج شب کے لئے خریدا ہے، وہ حاضر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم بستر کی چادر اور تکیہ بازار سے خرید لاتے یا جس طرح تم اپنی آسائش کے لئے بجلی کا یہ لیمپ خریدتے، یا اپنے گھر کے آتش دان کے لئے بازار سے کوئلہ منگواتے۔ سودا سوچ کر کرو، تم نے کیا خریدا؛ میرے جسم کی سپید اور گلابی کھال، میرا نفیس و معطر لباس، میری خوبصورت آنکھوں کی چمک، میری نرم انگلیاں، میری آواز کا رس، میرا تمام حسن ظاہری —— بس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

تم نے شاید خریدا ہے خوان پوش خریدا ہے، یاد رکھو تم نے اس عورت کو نہیں خریدا ہے نہ خرید سکتے ہو جو اس کے جسم کے اندر ہے۔ تم نے جسم کو خرید لیا اور وہ سب کچھ خرید لیا جو جسم کے باہر ہے —— چلو اب سو جائیں۔

یہ شخص میری اس گفتگو کو خاموشی سے سنتا رہا —— اس طرح کہ نہ اس نے آنکھ اٹھائی نہ لب کھولے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ اٹھا۔ کہنے لگا "معاف کیجئے۔ مجھ سے غلطی ہوئی میں غلط سودا خریدنے آ گیا۔ مجھے اصلی عورت چاہیے محض جسم کی ضرورت نہیں!"

میں نے بھی کہا —— افسوس ہے میں مجبور ہوں، جو چیز موجود ہے —— اس میں حجت نہیں۔"

"تو کیا میں" اس نے کہا "نہ سہی ایک چاہنے والے کی حیثیت سے، مگر محض ایک شناسا اور دوست کی حیثیت سے کبھی کبھی آپ کے پاس آ سکتا ہوں۔ اس شب سے زیادہ وہ ملاقاتیں میرے لئے پرلطف ہوں گی —— اجازت ہے ——؟"

اس طرح میری اور ممتاز کی دوستی شروع ہوئی۔ ہماری یہ دوستی عشق و محبت کی سوزش سے پاک ہے۔ وہ آتا ہے گھنٹوں میرے بستر پر پڑا رہتا ہے۔ میری زندگی کی داستان کا ایک حصہ اس نے میری زبان سے سن لیا ہے —— تم ایک لفظ بھی آج تک نہ سن سکے! اور شاید کبھی نہ سن سکو گے —— مشکل یہ ہے کہ تم میرے دوست اور جلیس نہیں ہو —— محض عاشق زار ہو۔

ممتاز کبھی کبھی آتا ہے۔ اپنا کوئی دلچسپ قصہ سناتا ہے۔ میری زندگی کا کوئی عبرت انگیز واقعہ سن کر گھنٹہ دو گھنٹہ ہنستا رہتا ہے۔ بانکپن کی جو ادائیں اس نے پہلی شب مجھے دکھائی تھیں ان کا اب پتہ بھی نہیں، نہ وہ ادعائے حسن ہے نہ اپنی جامہ زیبی کا مظاہرہ! مجھ تجارت پیشہ کے لئے یہ ایک نئی قسم کی اور بہت —— پاکیزہ تفریح ہے جس کی جدت آج کل میری دلچسپی کا باعث ہے —— تمہارے عشق سے زیادہ!

پندرھواں خط

مجنوں! [illegible] سے خفا نہیں ہوتے، بے ملک کے نواب تو سنے بھی اور دیکھے بھی تھے [illegible] جس طرح میں بے محل کی لیلیٰ ہوں تم شہر کے مجنوں، میں بستی کی یتی، جاؤ [illegible] صحرا ڈھونڈو میں اپنا ناقہ تلاش کروں، ہم تم پھر کسی دن ایک راستہ پر آ جائیں گے۔ ابھی تو میرے متعلق تمہارا ادراک صفر ہے۔ جب میں تمہارے آغوش میں ہوتی ہوں، ہنستی ہوں، تمہاری باتوں پر قہقہے لگاتی ہوں، تمہارے چٹکیاں لیتی ہوں، کبھی محبت سے تمہارے نرم اور چمکدار بالوں پر ہاتھ پھیرتی ہوں تو تم سمجھتے ہو کہ اس وقت میرا دل و دماغ تمہارے پاس نہیں ہوتا۔ ایک ننھے بچے کی طرح جو گراموفون کے چاک گھومتے اور سوئی کو اس پر چلتے دیکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ تم میرے چاک کو گھومتے دیکھتے ہو سوئی کو ہر وقت چلتے پاتے ہو، میرے جسم کی گرمی کو محسوس کرتے ہو مگر دل کی افسردگی کو نہیں پاتے۔ اندر جو مشین پرزوں کو چلاتی ہے اس سے قطعاً بے خبر ہو۔ گوشت اور پوست کا ایک ڈھیر اپنی ہیئت ظاہری میں نہایت حسین، جس کو تم از راہ الفت شاعرانہ گلدستہ کہا کرتے ہو تمہاری بغل میں رکھا ہوتا ہے، لیکن وہ جو اندر ایک گل چلتی ہوتی ہے اس سے تم ہمیشہ بیگانہ رہے ہو اور ہمیشہ بیگانہ رہو گے۔ ادراک کی اس پونجی پر عورت کو احمق کہتے ہو؟ احمق اس لئے کہ اپنی نسوانیت کی دکانداری لگا کر سر بازار بیٹھی ہوں؟ احمق اس لئے کہ دونوں وقت اچھا کھاتی ہوں اور اچھا پہنتی ہوں! یا احمق اس لئے کہ اللہ نے مجھے حسین بنایا اور دنیا والوں نے فطرت کے آغوش سے نکال کر مجھے اس گندگی میں ڈال دیا! کیا یہ زندگی جس پر دنیا کے زاہد اور متقی ناک بھوں چڑھاتے ہیں میں نے خود اپنے لئے تجویز کی؟ کیا یہ وجہ معاش جس کو نہایت قرأت و اداکی کے ساتھ حرام کہا جاتا ہے اور ح کو بالکل صحیح مخرج سے ادا کیا جاتا ہے، میرا انتخاب ہے؟ یہ حسن فروشی کی دکان جس پر میں بٹھائی گئی کس نے کھولی؟ میں نے؟ اس دکان پر آنے والے گاہک کون ہیں؟ کس کے دم سے یہ سارا کاروبار چلتا ہے، میرا بس چلتا تو ان عمامہ والوں کو جو زیب محراب و منبر ہیں، مسجدوں اور حجروں سے کھینچ کھینچ کر باہر لاتی اور کہتی کہ آؤ کچھ روز اس گناہ گار کے پاس رہو۔ مفت کی روٹیاں کھانے اور چار چار نکاح کرنے سے فرصت ہو تو اس عاجزہ کے سیہ خانے کو منور فرمائیے۔ جس کا سینہ ہنوز جناب کے اس سینہ سے زیادہ پاک و صاف ہے جس پر قرآن کے تیس پارے ثبت ہیں یہ جو اخلاق و اعمال کے معیار قائم کئے جاتے ہیں۔ یہ جو طالب علموں کے پائجاموں اور داڑھیوں کا طول ناپا جاتا ہے یہ جو پیشانیوں کے گھٹے پانچ وقت دھوئے جاتے ہیں۔ یہ جو محراب و منبر اهدنا الصراط المستقيم سے گونجتے ہیں اور مدرسہ کی دیواریں کافر ملعون کی کڑک سے کانپتی ہیں! یہ سارا تماشا کیا ہے؟ میں نے اس کا نام خود فریبی رکھا ہے۔ انسان اور خصوصاً مرد کا بدترین گناہ، اس کی فریبی فطرت کا اقرار ادلین! وہ گناہ جس میں محراب و منبر کا شمعدان اور قندیلیں آلودہ، جس سے مسجد کے لوٹے ناپاک۔

اور ایک عصمت فروش ہنوز پاک ہے۔ بے نا پاک اور حیا سوز زندگی! الحمد للہ اب بھی ان دیندار دنیا پرستوں کے حال سے بہتر ہے۔ میں عصمت فروش ہوں اور کہتی ہوں کہ عصمت فروش ہوں میں کھوٹا سکہ ہوں اور سب جانتے ہیں کہ کھوٹا سکہ ہوں۔ میں اپنے ملمع کو زر خالص نہیں کہتی میں زہد و اتقا کے اسباب، مکر و فریب کے ذریعے سے ہاتھ میں تسبیح لے کر اور داڑھی میں عطر لگا کر دوسروں کی جیب میں ہاتھ نہیں ڈالتی۔ نہ شریعت کا نام لے کر عیاشی اور نفس پرستی کرتی ہوں، میرا گناہ تو یہ ہے کہ میں اپنا جسم فروخت کرتی ہوں، اس لئے کہ ان دنیا کے موذیوں نے مجھے اکل حلال سے محروم کر دیا اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر سکوں تم حیران نہ ہو جیو، میرے عشاق کی فہرست میں محراب و منبر کے برہمنوں کے اسمائے گرامی بھی موجود ہیں! فرق ہے تو صرف اتنا کہ اکثر یہ عشق بھی شریعت کے لباس میں آیا۔ یعنی یوں آیا کہ اظہار التفات کی چند بھدی کوششوں کے بعد نکاح کا پیغام! میں نے عرض کیا کہ حضور، میں آپ کے حرم میں رہ کر عصمت فروشی کرنے کی بجائے بازار ہی میں رسوائی پسند کرتی ہوں! یہ نکاح میری آپ کی سیہ کاری کو کم نہ کر دے گا۔ صرف یہ ضرور ہو گا کہ آپ میری عصمت فروشی کے اجارہ دار ہو جائیں گے! ماشاء اللہ دو دو تین تین بیویاں گھر میں بیٹھی ہیں، عمر بھی اب ساٹھ کے قریب آ گئی، میں غریب ولیمہ کے پلاؤ، نکاح کے چھواروں اور بسم اللہ کے بتاشوں پر تین حصہ داروں کے ساتھ کیوں کر گزر کروں گی۔ . . . خفا ہو گئے، کہلا بھیجا —— او ملعون چھوکری! تیرا مقام جہنم ہے، خالدین فیہا ابداً . . . . یہ مجانبات بھی دیکھتی رہتی ہوں۔

یہ حیوان مطلق مگر ناطق! جس کا نام مرد رکھا گیا ہے، کیسے کیسے دعوے کرتا ہے، کیسے کیسے فریب دیتا ہے۔ "ہم ناقص العقل عورتوں کے محافظ و نگراں ہیں"۔ اللہ رے محافظ و نگراں! ناقص العقل بکریوں کا یہ گلہ اور اس کے یہ عالی دماغ گرگ۔ نگہبان، ان گلہ بانوں کے سایۂ عاطفت میں آج مجھ جیسی کتنی خانماں برباد ہستیاں زندگی کے تاریک دن اور تاریک تر راتیں گزار رہی ہیں! اور پھر کیسے کیسے طعنے سنتی ہیں! عورتیں احمق ہوتی ہیں، ناقص العقل ہوتی ہیں، فطرتاً مرد سے کمتر ہیں۔ آج میں بالا لئے بام کھڑی ہو کر پکارتی ہوں —— بر سر بازار پکارتی ہوں، کہ ہمارے وہ محافظ و نگران کہاں ہیں؟ ——

مسجدوں میں ڈھونڈوں یا مدرسوں میں؟

سولھواں خط

آفتاب کی ایک شعاع اور مہتاب کی ایک کرن بھی تم چاہو کہ اپنی ساری دولت دے کر خرید لو تو نہیں خرید سکتے ——— عورت کے قلب کی گرمی اور روشنی اس سے بھی زیادہ گراں ہے۔ یا مفت ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ تمہارے تحائف دھرا یا میرے سر آنکھوں پر۔ میں نے ان کے قبول کرنے سے کب انکار کیا ہے؟ یا کب ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے؟ مشکل یہ ہے کہ تم بنساری کی طرح ہر چیز خریدنا چاہتے ہو۔ اگر یہ داد و دہش کسی چیز کی قیمت ہے تو یہ میرے جسم کی قیمت ہے سوا اس کے میری دکان پر اور کوئی مال نہیں بکتا۔ باقی سب تمہاری عقل کا قصور ہے۔ مرد اکثر عورتوں سے کہا کرتے ہیں "مجھ سے محبت کرو!" گویا یہ بھی ایک لباس ہے۔ کہ اس کو اتارو اور اس کو پہنو۔ پھر کہتے ہیں کہ "تم محبت نہیں کرتی، تم مجھ سے مانوس نہیں تو میں تمہیں محبت کرنا سکھا دوں گا۔" ایک دن ایک صاحب نے انتہائے جوش الفت میں بہت بسور بسور کر فرمایا: "اچھا تم کہتی ہو تم محبت کر ہی نہیں سکتیں تو پھر چند دنوں بعد میرے جذبۂ عشق کو دیکھنا۔ تمہیں میرے عشق کی قدر کرنی ہوگی۔" کیا خوب! میں نے عرض کیا "جناب والا! میں حاضر ہوں۔ اپنے عشق کا تختۂ مشق بنائیے۔ آپ کی جان نثاری کی قدر کرتی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ مجھے بھی رفتہ رفتہ آپ سے عشق ہو جائے" بہت خوش ہوئے۔ ایک برس تک میرا ان کا ساتھ رہا۔ لاکھوں دفعہ مجھ سے پوچھتے تھے "کہو اب تم مجھ سے کچھ کچھ محبت کرنے لگیں؟" آخر تمہاری طرح ایک دن میں ان سے بھی کھل گئی، میں نے کہا "حضرت! میرا عشق روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ مگر ایک بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ ہمارے آپ کے عشق کا خدا حافظ!" بہت گھبرائے۔ "سچ کہو کیا بات ہے؟ کیا کوئی اور بھی ہے؟" میں نے بہت سوکھا منہ بنا کر جواب دیا۔ "جی ہاں! اور تو آدھے درجن سے بھی زیادہ ہیں، مگر مجھے تو اب آپ سے انس ہو چلا ہے۔" کہنے لگے: "پھر خدا کے لئے بتاؤ وہ مشکل کیا ہے؟" ——— گویا کہ ابھی ابھی اس کو آسان کر دیں گے! میں نے کہا "مشکل یہ ہے کہ میرا عشق روز بروز گرم ہوتا جاتا ہے اور آپ کی جیب خالی ہوتی جاتی ہے۔ اگر یہ بڑھتا اور وہ گھٹتی تو پھر اس عشق کی بھاری گاڑی افلاس کے کچے اور ناہموار راستے پر کیونکر کھنچی جائے گی؟" اول تو حیران ہوئے پھر کچھ سمجھے۔ آدمی غیرت دار تھے، پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ . . . . تم کہتے ہو اس عورت کے دل میں نام کو رحم و انصاف نہیں۔ میرے دوست کس کے دل میں ہے؟ رحم و انصاف اس بازار کی جنس نہیں! تم اپنی طرف دیکھو۔ جانتے ہو کہ میں تمہیں اس طرح نہیں چاہتی جس طرح فطرت کا اقتضاء ہے کہ ایک عورت ایک مرد کو چاہے۔ پھر بھی تم میری نسوانیت پر ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی دولت پر نازاں ہو۔ کل مجھ سے زیادہ کوئی حسین عورت ملے گی اس کو مسخر کرو گے پرسوں کوئی اور تم تو جانتے ہو، میرے تم جیسے کتنے دوست وہ ہیں جن کے گھروں میں بیویاں ہیں، وہ بیویاں جن کے تخیل کو بھی گھر کی دیوار کے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ ننھے بچے ہیں جو باپ کی محبت کے جائز حق دار ہیں۔ فطرت کی امانت میں جو انسان کے جوڑے کو سپرد کی جاتی ہے تاکہ وہ دنیا کے کارخانے کو قائم رکھے۔ وہ بیویاں جن کے خیال میں بھی کوئی دوسرا مرد نہیں آنے پاتا کیا نہیں جانتیں کہ ان کا مرد گھر آنے میں کیوں دیر کرتا ہے اور آدھی رات تک کہاں رہتا ہے؟ گھر کی دنیا میں اس کی جگہ صبح سے شام تک کیوں خالی رہتی ہے؟ میں نے اکثر ان مردوں سے کہا ہے کہ آخر تم مجھے سنگ دل کہتے ہو! یہ طعنہ تمہاری زبان سے اچھا نہیں لگتا۔ ایک بھیڑیا دوسرے بھیڑیے کے خون آلودہ پنجوں اور دانتوں پر استہزا کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر انصاف و رحم سے میرا دل خالی ہے تو تمہارے دل میں کیا ہے؟

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

جب کسی عاشق زار سے اس قسم کی باتیں کرتی ہوں تو شرما شرما کر ہنستے ہیں اور ٹال جاتے ہیں اگر زیادہ آزمودہ کار ہوئے تو کہتے ہیں۔ "میں کیا کروں؟ تمہاری محبت نے مجبور کر دیا ورنہ یہ نہ سمجھو کہ مجھے اپنے اہل و عیال کی پرواہ نہیں۔ اس دل کو کیا کروں؟" واہ رے دل! ان کا دل مجبور ہے کہ مجھ پر فدا ہو جائے، میرا دل مجبور ہے کہ وہ ایک یا دو چار عاشقوں پر قناعت نہ کرے۔ وہ کہتا ہے جتنے ہوں کم ہیں۔ وہ تو اپنے دل سے مجبور ہو کر اپنے سارے خاندان پر لات مار دیں اور میں اپنے دل سے مجبور ہو کر بھی ٹھوکر مارنے کا لطف حاصل نہ کروں! یہ کیا منطق ہے؟ جب تم شادی کر لو گے اور انسانی نسل میں بھی تمہاری وجہ سے کچھ اضافہ ہو جائے گا اس وقت میری ان باتوں کو یاد کرنا اور اگر اس وقت بھی خود ایک بیوی پر قناعت نہ کر سکو تو اپنی بیوی سے کہنا کہ نیک بخت! تمہیں بھی عام اجازت ہے ـــــ؟

مردوں کی یہ منطق کبھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ مرد جو کچھ کرے اس کی بداعمالی اس قدر قابل گرفت نہیں جس قدر عورت کی اخلاقی لغزشیں ہیں۔ کیوں؟ یہ خود غرض جانور اپنے اور عورت کے اخلاق کے مختلف معیار قائم کرتا ہے! اپنی صفائی یوں پیش کی جاتی ہے کہ خود مذہب نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی اور عورت کو بیک وقت صرف ایک شوہر کی ـــــ تمہارے مولوی ملا جو کچھ کہیں مجھے کبھی یقین نہ آئے گا کہ اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز رکھا ہے اس طرح جائز رکھا ہے جس طرح اس پر عمل کیا جا رہا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں کہ یہ تعدد ازدواج شریعت کے پردے میں عیاشی اور نفس پرستی کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مرد کے نفسانی قوی متعدد عورتوں کے طالب ہیں ایک عورت جب ماں ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے تو عرصہ تک مرد کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کر سکتی۔ میں ایک عورت ہوں اور تم سے صاف صاف کہتی ہوں کہ ایک عورت ایک مرد کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ فطرت کی کوئی خلاف ورزی اس سے بدتر نہیں کہ عورت اور مرد اپنی نفس پرستی میں مسلسل منہمک رہیں۔ یہ نفس کی قوت نہیں ہے۔ بلکہ دماغ کی بیماری ہے۔ جب مرد اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت ایک عورت چاہتا ہے ورنہ صحیح اور فطری احساس نفسانی تو اس کا ہرگز متقاضی نہیں کہ یہ شغل مسلسل جاری رہے۔ معاف کرنا! میں گو کتنی ہی عصمت فروش سہی پھر ایک عورت ہوں اور اس طرح کی باتوں کو صاف و صریح بیان نہیں کر سکتی۔ جہاں تک عورت کے احساس نفسانی کا تعلق ہے وہ اس راز کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے۔ آج جو کچھ میں نے تم سے کہا یہ بھی بہت ہے بس یہ یاد رکھو کہ ایک عورت ایک مرد کے لئے کافی سے زیادہ ہے! کاذب اور مکار ہے وہ شخص جو اپنی بے لگام نفس پرستی اور تعدد ازدواج کے لئے یہ دلیل لاتا ہے کہ ایک مرد کو ایک عورت کافی نہیں!

ایک ذلیل اور بازاری عورت کو اگر خود ستائی اور پندار کا طعنہ نہ دو تو میں کہوں کہ میں اب بھی ان لوگوں سے بالاتر ہوں جن کی تسبیح کے دانوں میں دل کی سیاہی جذب ہو چکی ہے۔ میں صرف مردوں کی نفس پرستی کا ذریعہ اور اپنی معاش کا وسیلہ ہوں۔ خود نفس پرست نہیں ہوں اور اگر کبھی مجھ پر کوئی ساعت ایسی گزرتی ہے تو میرے پاس قلم نہیں اور زبان نہیں کہ اس لمحہ کی حالت تم کو بتا سکوں، چاروں طرف دیکھتی ہوں اور دل کے اندر سے کوئی دوسری عورت جو اس جسم فانی سے الگ ہے پکارتی ہے۔ "میرا مرد کب آئے گا؟" تمہیں کیا معلوم کہ ہر عورت کا ایک مرد ہوتا ہے اس دنیا میں جب اس کا مرد اس کو مل جاتا ہے۔ تب وہ جانتی ہے کہ جنت دنیا کا دوسرا نام ہے۔ اس دھوکہ میں نہ آؤ کہ ہر مرد ہر عورت کا مرد ہو سکتا ہے۔ ابھی تک یہ فطرت کا ایک راز ہے۔ میں تو اکثر سوچا کرتی ہوں کہ قسام ازل خود جوڑے لگا لگا کر دنیا میں بھیجتا ہے۔ پھر دنیا والے اپنی حماقت سے اس تقسیم کو غلط کر دیتے ہیں اور ساری دنیا کو ماتم خانہ بنا کر احمقوں کی طرح اپنی قسمت کا گلہ کرتے ہیں! قسمت ایک ناقابل فہم اصطلاح ہے۔

جب ایک دائرہ کو مربع ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا مربع کو دائرہ بننے کی۔ یا جب سمندر میں اونٹ اور ریگستان میں مچھلیاں پالی جاتی ہیں۔ یا جب کائنات کے رموز نظر سے پوشیدہ ہوں اور دماغ میں بلند تر ہونے کی طاقت نہ ہو یا جب خود غلطی کی جائے اور غلطی کے

نتائج کو اس غلطی سے منسوب نہ کیا جائے یا جب زندگی کے ضوابط سے روگرداں ہو کر غلط راستہ اختیار کیا جائے اور صحیح منزل پر پہنچنے کا دعویٰ جب دعویٰ کیا جائے اور دلیل نہ ملے۔ اس وقت کہتے ہیں! ہائے قسمت! . . . . . اگر قسمت ہی کوئی چیز ہے تو پھر مانو کہ خالق کی حکومت جابرانہ ہے، انسان مجبور و معذور ہے اور نہ گناہ کوئی چیز ہے نہ ثواب، نہ گناہ کی کوئی سزا نہ اعمال نیک کا کوئی اجر۔ یہ سب کچھ نہیں۔ میں نے گناہ کی زندگی بسر کی، میری قسمت! تم نے عیاشی میں اپنی دولت برباد کی تمہاری قسمت! تم کہتے ہو تم نے فلسفہ اور علم النفس کا کامل درس حاصل کیا ہے! میں بیچاری تو ناقص العقل عورت ہوں تمہارا علم و فضل اگر کبھی اس الجھے ہوئے رشتۂ زندگی کی کوئی گرہ کھول سکے تو مجھے بھی خبر کرنا!

سترھواں خط

توبہ! توبہ! خدا اور مذہب کا نام درمیان میں کیوں لاتے ہو! بازی! بازی! بازی! بارِیش باباہم بازی! میری تمہاری سیاہ کاریوں کو خدا اور مذہب سے کیا تعلق؟

خدا کو کیا غرض۔ میرے تمہارے درمیان کیوں ہو؟

تم کوئی "مولانا یا مولوی" تو ہو نہیں کہ تمہارا عشق بھی مذہب، فقہ اور حدیث کا لباس پہن کر آئے! مذہب سے یا جس کو تم مذہب کہتے ہو میرا تعلق برائے نام ہے۔ میں مذہب اور خدا کو کچھ یونہی سا جانتی ہوں۔ کوئی درجہ دوئم یا سوئم کے "مولانا" جو کبھی پھنس گئے ہیں تو ان سے میں نے نعت و رقت کو نہایت قرأت داؤدی کے ساتھ حلق کے صحیح مخرج سے ادا ہوتے ہوئے سن لیا ہے۔ مگر ان مولاناؤں کا عشق انتہائی بھدی قسم کا عشق ہوتا ہے۔ اکثر تو اکثر نکاح کا پیغام ساتھ لے کر آتا ہے۔ یہ بیچارے صرف ایک ہی قسم کی عیاشی جانتے ہیں ــــــ وہ جو کسی نہ کسی مذہبی اصطلاح کے تحت آسکے خیر!! ان کی "لاحول اور نعوذ باللہ سے تو میں کسی نہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتی ہوں مگر یہ تمہاری عشق بازی میں مجھے خدا کے نام کی آمیزش نہیں بھاتی۔ دنیا کے کام دنیا ہی کے لئے رہنے دو ــــــ آگے نہ جاؤ! مجھے تمہیں کسی کو خبر نہیں کہ آگے ہے کیا! ــــــ ہمارے تمہارے مذہب کی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ جو ماں باپ کا مذہب وہ ہمارا مذہب، تم اور میں مذہب کو کیا جانیں۔ تم ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہو ــــــ دو چار پلے بزرگ کتابیں چند، میں غریب بھی کبھی ایک شریف خاندان کی لڑکی تھی، اتنی جانتی ہوں کہ "ماما بیبیاں، خالق باری اور راہِ نجات" پڑھی اور چند مذہبی کتابیں ختم کیں۔ اس کے بعد میرے ماں، باپ نے رحمت کی یاد کا چراغ آج بھی اس سیاہ قلب کے ایک گوشے میں روشن ہے! بڑا حوصلہ کر کے مجھے عربی فارسی اور اردو کی تعلیم دی۔ مدرسہ کی ابتدائی کتابیں ختم کیں اور فارسی اردو کی سینکڑوں کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اگر کتابیں پڑھ لینے سے یا نماز، روزہ اور حج کے ارکان یاد کرنے سے کوئی مسلمان بن سکتا ہے تو میں بھی مسلمان ہوں، مسلمانوں کے مذہب کے جو ٹھیکیدار ہیں وہ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ اگر میں گناہ کی دنیا میں نہ دھکیل دی گئی ہوتی تو آج بھی بہت سے مفت کی روٹیاں نکاح کے چھوہارے اور ولیمے کے چاول کھانے والوں سے زیادہ پڑھی لکھی سمجھی جاتی۔ مگر وہ سارا پڑھا لکھا اب میری عصمت فروشی کی دکان کو چمکا رہا ہے جس طرح بڑے بڑے عمامہ والے اپنے علم و فضل کو اکثر اپنے اغراض فاسدہ پر دلیل لاتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی اپنی تعلیم کو اپنے پیشہ کی کامیابی کا معاون بناتی ہوں۔ اگر میں عورت نہ پیدا ہوئی ہوتی، اور عصمت فروشی کے بازار میں نہ آئی ہوتی تو جہاں تک مکر و فریب اور دھوکہ دہی کا تعلق ہے، میں بھی کوئی "مولانا" "حضرت اقدس" یا "جناب محترم" ہوتی! کہیں مصلے پر کسی حجرے میں بیٹھی ہوتی، اسی مسجد کے منبر پر کھڑی ہوتی۔ فتوے لکھتی، اعلانات شائع کرتی۔ تقریریں کرتی اور میرا تعلق، براہ راست عرش اعظم سے ہوتا۔ بدنصیبی سے عورت بن کر مرد کے دھوکے میں آئی اور اس قابل بھی نہ رہی کہ حضرت مولانا میری طرف نظر اٹھا کر دیکھیں!! اس زندگی میں خدا کی کوئی نعمت میرے لئے نہیں ہے! میں اس مولویانہ مذہب کی حدود سے جس کو مذہب کہتے ہیں بالکل خارج ہوں! پھر کیوں ان الجھنوں میں اپنا وقت ضائع کروں؟ اور ان الجھنوں کو سلجھانے ہی والا کون ہے؟ کس سے؟ تم سلجھا سکے؟ جبہ و عمامہ نے سلجھایا؟ تسبیح و زنار سلجھا سکی؟ حضرت اور پنڈت جی مہاراج سلجھا سکے؟ بیٹا باپ کو نہ سمجھ سکا، بھائی بھائی کو نہ سمجھ سکا، بیٹی ماں کو نہ پہچان سکی، کوئی ایک انسان دوسرے انسان کو نہ سمجھ سکا۔ باوجود تمام ادعائے عقل و فہم معمولی بیش پا افتادہ حقائق بھی سمجھ میں نہ آئے۔ آپ بڑے تعلیم یافتہ، بڑے دانا، بڑے علمبردار تہذیب و تمدن ہیں۔ آپ ایک ذرا سی ذلیل عورت کو نہ سمجھ سکے! ــــــ پھر آگے کیوں جایئے دریا کے پانی میں وہیں تک جایئے جہاں تک زمین پاؤں کے نیچے رہے!

یہ سب لوگ جو مذہب مذہب پکارتے ہیں، درحقیقت ایک قسم کے بت پرست ہیں۔ ان کا بت پتھر یا سونے یا چاندی کا نہیں ہے۔ تخیل اور توہم ان کا دیوتا ہے۔ ذاتی خواہش ان کا خدا ہے۔ مندر اور شوالے کے بجائے ان کا دیوتا، ان کے دماغ کے سومنات میں رہتا ہے! خدا سے زیادہ یہ سب اس دیوتا کے غلام ہیں۔ کوئی پوچھے کہ مذہب کی جو تعلیمات ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں، ان تعلیمات نے ہمارے احساس اور ادراک کے کتنے پردے اٹھائے؟ ہمارے علم میں کتنا اضافہ کیا، ہزاروں، لاکھوں قرن گزر گئے اور اس سیاہ پردے کا ایک کونہ بھی نہ اٹھایا جا سکا جو کائنات کے وجود پر پڑا ہوا ہے اہل مذہب ایک طرف ناچار ہیں اور سائنس علم و سائنس دوسری طرف درماندہ ہیں۔ طوطے کی طرح چند خود ساختہ اصولوں کو رٹے جاتے ہیں! مذہب کا جو دیوتا مختلف قوموں نے بنا رکھا ہے وہ بہت ہی خوفناک چیز ہے! میں اس سے بیزار ہوں، اس دیوتا کے پجاریوں نے دنیا میں جس قدر فساد برپا کیا، جس قدر خون بہایا، اس کی حد و انتہا نہیں ہے یہ زندگی کے جس قدر اصول اور قاعدے بنائے جاتے ہیں سب بے فائدہ ہیں۔ آج ایک کلیہ قائم ہوتا ہے کل ٹوٹ جاتا ہے، دنیا کی اور ہماری زندگی کی بس ترکیب یہی ہے کہ بگاڑے جاؤ بنائے جاؤ، بنائے جاؤ، بگاڑتے جاؤ، ایک الجھنے کو سلجھانے کی کوشش کرو اور بیس الجھنے اور پیدا کر دو۔ نیلس کا فلسفہ، حکیم کی حکمت، منطقی کی منطق، مولوی کی روایات، صوفی کا تصوف، یہ سب ٹوٹی ہوئی کشتیاں ہیں جو زندگی کے بحر ناپیدا کنار پر کبھی ڈوبتی ہیں، کبھی اچھلتی ہیں ۔۔۔ لاکھوں کروڑوں ڈوبے ہوئے جہازوں کے دو ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے تمہاری آپ کی کائنات ہے۔ پھر اس میں عشق ہے عاشقی ہے، محبت کے دعوے ہیں، الفت کے تقاضے ہیں، ہجر کی شکایتیں ہیں۔ وصل کی خواہشیں ہیں، رقیب کے طعنے ہیں معشوق کی بے پروائیاں ہیں اور مجنوں کی لیلیٰ ہے اور لیلیٰ کے مجنوں ہیں ــــــ اور ان میں سے ایک آپ ہیں۔

اٹھارہواں خط

جناب عاشق نامراد! کل جس وقت آپ کا نیاز نامہ آیا تو میں خواب ناز سے بیدار ہو کر دکانداری کی تیاریاں کر رہی تھی۔ آئینہ میرے سامنے رکھا تھا، عطر دان سنگھار میز پر رکھی تھی اور نئی ساڑھی جو تمہارے رقیب نو رسیدہ سیٹھ ــــــ نے کل ہی نذر کی تھی، کھول رہی تھی تاکہ اس کو پہن کر سیٹھ جی کی قدر افزائی فرمائی جائے۔ بقول ان کے "جرت نوازی"! سوچ رہی تھی کہ کوئی بیوقوف آ جائے تو کرایہ کا موٹر منگا کر باغ عامہ کے دو چار چکر لگاؤں، نئی ساڑھی پہن کر اگر دو ہوا خوری نہ کی جائے تو نئی ساڑھی کا اصلی مقصود فوت ہو جاتا ہے۔ ہم لوگوں کا چراغ اگر تہ داماں رکھا جائے تو کاروبار پھر کیونکر چلے۔ جس طرح تھیٹر اور سینما کے اشتہار کرایہ کی گاڑیوں پر تقسیم ہوتے ہیں۔ یا جس طرح پنجاب کے ایک مشہور ڈاکٹر حکیم و طبیب و وید اپنی گاڑی پر اپنا نام پتہ بخط جلی لکھوا کر بڑے بڑے شہروں میں گھوما کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے حسن کے سائن بورڈ کے لئے بھی آج کل موٹر اور باغ عامہ کی اشد ضرورت ہے! ہر روز اگر ساڑھی نہ بدلی جائے تو ایک ہی پرانے سائن بورڈ کو دیکھتے دیکھتے گاہکوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہے!

میں تخیل کی اس دنیا میں منہمک تھی کہ آپ کا صحیفہ گرامی یہ مژدہ جانفزا لایا کہ خدانخواستہ آپ خودکشی پر آمادہ ہیں اور یہ کہ آج ہی شب میں یہ ارادہ درجۂ تکمیل کو پہنچے گا! آپ کی اس اضطراری

تحریر کو پڑھ کر ہنسی تو نہ آئی مگر رحم اور تحقیر کا مرکب ایک تبسم میرے لبوں پر پیدا ہوا جس کو دیر تک آئینہ میں دیکھتی رہی میں نے اپنے تبسم کی بہت سی قسمیں مقرر کر لی ہیں ـــــ عاشق نامراد اگر روئے تو اس کے لئے ایسا تبسم ہونا چاہیئے جیسے تو میں اس طرح تبسم کروں، اگر جان دینے کی دھمکی دے تو میرے ہونٹوں پر اس انداز سے تبسم پیدا ہو اور تخیل میں وہ زیادہ بے تکلف ہو جائے اور میں اس کی ہمت افزائی کرنا چاہوں تو اس طرح مسکراؤں، سوال وصل کا جواب اس قسم کے تبسم سے دیا جائے اور احوال دردِ فراق سن کر میرے ہونٹوں پر تبسم اس طرح کھیلے وغیرہ وغیرہ، ہر موقع اور ہر ضرورت کے لئے میرے حسن کے اسلحہ خانہ میں ایک مخصوص تبسم مقرر ہے جس طرح شکاریوں کے کارتوسوں کے نمبر مقرر ہوتے ہیں مرغابی کے لئے یہ اور تیتر کے لئے یہ اور ہرن کے لئے یہ اور شیر کے لئے یہ۔ آپ کے اس دلچسپ ارادہ کی خبر پا کر جو تبسم میرے لبوں پر نمودار ہوا اس کی نوعیت بالکل وہی تھی جو پاگل خانہ کے مہتمم کے تبسم کی ہوتی ہے جو اپنی زیر نگرانی پاگلوں کی مسخرہ انگیز حرکات کو دن میں ہزاروں دفعہ دیکھتا ہے۔

یہ خوف تو میرے دل میں نہیں کہ آپ واقعی اپنے اس ارادہ پر عمل فرمائیں گے مگر افسوس اس کا ہے کہ میں آج کی شب آپ کے اس ارادہ میں آپ کی کوئی اعانت نہیں کر سکتی۔ نہ تیمارداری کے لئے آنکھوں کی نذیت پر اس لئے کہ سیٹھ جی کی پیش کی ہوئی ساڑھی پہن کر آج تو سیٹھ جی کا سر عجز زانوئے ناز پر رکھنا ہے! مجھے آپ کے اس ارادہ نے ذرا بھی متعجب نہیں کیا، اس لئے کہ میں خوب جانتی ہوں کہ ہزار دفعہ اس دنیائے ناپائدار سے منتقل ہونے کا آپ ارادہ فرمائیں گے اور ہزار دفعہ اس ارادہ کو میرے وصل کی امید ملتوی کر دے گی، ماہر امراض، ہر مرض کے تدریجی مدارج سے خوب واقف ہوتا ہے، واقف نہ ہو تو وہ ماہر امراض ہی نہیں ـــــ وہ جانتا ہے کہ نزلہ زکام اور دردِ سر کے بعد دردِ سینہ اور پھر نمونیا تک کتنے مدارج ہوتے ہیں، جن سے مریض گزرتا ہے اور موت آنے تک مریض کو کیا کیا حالات پیش آتے ہیں، اسی طرح میں بھی یہ جانتی ہوں کہ ابتدائی نظربازی کے بعد میرے عُشاق عالی مقام کو کتنی منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں تا آنکہ وہ خودکشی کی دھمکی تک پہنچتے ہیں، اور پھر یہ بخار چڑھ کر اترتا کیوں کر ہے۔ آپ جس کو ہیضہ سمجھ رہے ہیں ـــــ مجھ سے پوچھیئے ـــــ یہ صرف معدہ کی خرابی کی وجہ سے معمولی بدہضمی ہے۔ پھر میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ مر جائیں گے یا مر سکتے ہیں! جب میری سامنے میں حقیقت مرض اس قدر خفیف ہے تو پھر مجھے تردد کیوں ہو؟ اللہ نے تمہیں دولت دی عقل نہیں دی! اصل یہ ہے کہ خدا نے سب کو برابر حصہ دیا ہے لیکن اس کی نعمتوں کی اقسام جدا جدا ہیں، مثلاً ایک امیر کو دولت دے کر عقل سے محروم رکھا گیا مگر ایک مفلس کو دولت سے محروم کر کے عقل عطا فرمائی۔ عقل نہیں دی تو ایمان دیا، ایمان اگر زیادہ دیا تو عقل کم کر دی۔ عقل اگر دی تو ایمان کم کر لیا۔ آنکھ میں زیادہ روشنی دی تو بازو کمزور کر دیا۔ بازو قوی دیے مگر آنکھیں کمزور کر دیں۔ وزن ہر چیز کا برابر رکھا پلہ ہر فرد کا برابر رہا! فرق صرف نوعیت ہے تم دولت رکھتے ہو مگر عقل و ایمان نہیں رکھتے میں عصمت اور نسوانی عصبیت سے محروم ہوں مگر عقل و ایمان رکھتی ہوں! ہم دونوں کی قیمت ایک ہے۔ میری عقل کو حق حاصل ہے کہ تمہاری دولت کی خام کاریوں پر استہزا کرے، اور تمہاری دولت حق رکھتی ہے کہ میری عصمت فروشی اور رسوائی پر خندہ زن ہو! اس میں مجھے اور تمہیں بُرا ماننے اور خفا ہونے کا کیا موقعہ ہے؟ اس فلسفہ کو سمجھو تو تمہاری بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں۔ پھر اس عشق و عاشقی میں جو میرے تمہارے درمیان ہنگامہ آرا ہے خودکشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ جو کچھ تمہارے حصہ میں آیا ہے تم اس پر قناعت کرو، جو کچھ قسامِ ازل نے مجھے دیا ہے میں اس پر صبر کروں!

تم کہا کرتے ہو کہ ایک عورت ہو کر میں کیسی کیسی باتیں بناتی ہوں! میں کہتی ہوں کہ عورت کو باتیں کرنا کس نے سکھایا، تمہاری حماقتوں نے میری عقل کو تیز کیا اور تمہاری ہوس کی مکاریوں نے مجھے چالاک بنایا، ہرن نے اس وقت تک جنگل میں بھاگنا اور دوڑنا نہ سیکھا جب تک کہ شیر نے اس پہ حملہ نہ کیا۔ جب مردوں کی حیوانیت نے عورتوں کی نسوانیت پر حملے کئے تو ان چڑیوں نے گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر عقاب کو دھوکہ دینا سیکھا! تم رنگ بدل بدل کر ہمیں دھوکے دیتے ہو اور ہم رنگ بدل بدل کر تمہیں بے وقوف بناتی ہیں یہ سودا دست بدست ہے! چڑتے کیوں ہو؟ جیسی کھیتی بوتے ہو ویسی کاٹتے ہو اور اس دارالمکافات میں ہونا بھی یہی چاہیئے!

انیسواں خط

بہت بہت شکریہ! تمہاری طرف سے نکاح کا پیام اور میری طرف سے اس عزت افزائی کا شکریہ! دونوں باتیں تمسخر انگیز ہیں! تمہیں معلوم نہیں میرا نکاح ہو چکا ہے! عورت کا نکاح عمر میں ایک ہی دفعہ ہوتا ہے، یوں چاہے وہ ہزار دفعہ مردوں کے پہلو میں بے حجاب ہوتی رہے۔ نکاح کے متعلق مرد کا تخیل زیادہ تر جسمانی اور مادی ہوتا ہے! تم لوگ جب خطبۂ نکاح سنتے ہو تو تصور کرتے ہو ایک لڑکی یا ایک عورت کے خوبصورت جسم کا اس کی جوانی اور رعنائی کا اور پھر اس آنے والی رات کا جب اس ناکتخدا لڑکی کے جسم کی تمام تر نزاکت و لطافت تمہارے نفس کے دسترخوان پر پیش کی جائے گی! مگر عورت کا وجود معنوی جب کسی مرد کا انتظار کرتا ہے تو وہ مرد اس عورت کے لئے گویا خدا کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کا وجود عورت کی زندگی کا مبتدا اور منتہا ہوتا ہے۔ نہ اس سے پہلے کچھ تھا، نہ اس کے بعد کچھ ہوگا ـــــ مرد جب پہلی شب میں عورت کے پاس آتا ہے تو شاید اس سے پہلے سینکڑوں عورتوں سے اپنے نفس کو آزمودہ کار بنا چکا ہوتا ہے! مگر عورت جب اس شب کو اپنے شوہر کی آغوش میں آتی ہے تو ایک نئی دنیا میں آتی ہے۔ ایک نئی سرزمین میں قدم رکھتی ہے جس سرزمین کی اس کو کچھ خبر نہیں ہوتی مرد جب عورت کو مستقلاً اپنے نفس کی خادمہ بنانا چاہتا ہے تو ـــــ نکاح کر لیتا ہے ـــــ مگر عورت جب سر جھکائے ہوئے اور آنکھیں بند کئے ہوئے اپنے سر کے اشارے سے کسی کو اپنا شوہر قبول کرتی ہے تو اس بدنصیب کو خبر نہیں ہوتی کہ مرد کیا چیز ہے! کیا جنس ہے! کیا قیامت ہے! کیا بلا ہے! اگر وہ اپنے ہونے والے شوہر سے محبت بھی کرتی ہے تب بھی اس کو خبر نہیں ہوتی کہ بکری کی کھال کے نیچے جو بھیڑیا چھپا ہوا ہے اس کے دانت کس قدر تیز ہیں! عورت صرف اس محبت کو جانتی ہے جس کا تعلق جسم اور حیوانیت سے بہت کم ہوتا ہے۔ وہ صرف مرد کو جانتی ہے! اس کے اندر جو حیوان چھپا ہوا ہے اس کو نہیں جانتی اور عرصہ تک نہیں جان سکتی ـــــ جب تک کہ زندگی کے تلخ تجربے مرد کی حقیقت کو اس کے سامنے بے نقاب نہ کر دیں۔ سوسائٹی اور مذہب نے جس کے ٹھیکہ دار صرف مرد ہیں عورت کو اس قدر گھیر لیا ہے اور بے دست و پا کر دیا ہے کہ نکاح عورت کی آخری شکست اور مرد کی فیصلہ کن فتح بن جاتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے نام پر عورت، مرد کی ملکیت بنا دی جاتی ہے۔

تمہاری دولت مجھ پر برستے برستے تھک گئی مگر تم کو مجھ پر وہ قبضۂ مالکانہ حاصل نہ ہو سکا جو تم سمجھتے تھے کہ دولت کے زور پر تم کو حاصل ہو سکے گا، اس لئے اب اللہ اور رسول کا نام درمیان میں لا کر تم مجھ سے خط غلامی لکھوانا چاہتے ہو کہ میں تمہارے خلوت خانہ کے طاق پر سجا دی جاؤں یا کم از کم اس وقت تک کے لئے جب تک تم کو میری ضرورت ہو، تمہارے عیش میں کام آ سکوں۔ تمہارے پیغام نکاح کی یہ تشریح ہے! ـــــ لومڑی کی طرح مکار، بلی کی طرح عیار، شیر کی طرح خونخوار مرد نکاح کا پیغام دیتا ہے! یا ازدواجِ شرعی کی دعوت دیتا ہے۔

یوں تو تمہارا بھائی، کوئی نہ کوئی ہر شب کو مجھ سے ایک قسم کا نکاح کرتا ہے۔ مگر جب میرے ہر شب ہونے والے نکاحوں کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا جب میں انسان تھی آج سے سالہا سال پہلے ـــــ میں تو جب ہی منکوحۂ محبت ہو چکی تھی۔ وہ نکاح جس کو کسی مولانا صاحب یا قاضی صاحب نے پڑھایا تھا، بغیر کسی ثالث کی امداد کے پڑھا جا چکا تھا۔ خطبہ نہ تھا، چھوہارے نہ تھے، دیگ و دیگچے نہ تھے، براتی نہ تھے، مہر کا سوال نہ تھا، جہیز کی بحث نہ تھی ـــــ کچھ بھی نہ تھا، محبت کی ایک نگاہ تھی وہی میرا نکاح تھا، ایجاب و قبول تھا اور اس عہد نامہ پر محبت کی مہر ـــــ میری طرف سے بہت پاک اور سچی محبت اور اس کی طرف سے، اس بہانہ باز، بدعہد، بے وفا نفس پرور کی طرف سے ـــــ

بہت آلودہ، جھوٹی اور کھوٹی محبت! کبھی تم سے پہلے کہہ چکی ہوں کہ میرا پہلا مرد وہی تھا اور وہی میری پہلی اور آخری محبت تھی۔ وہ مجھے چند ہی روز بعد اپنے دل سے نکال کر بازار میں پھینک گیا۔ میں بدنصیب جو ہر شب کسی نہ کسی شب پرست کے بستر کی آسائش ہوتی ہوں، ابھی تک اپنے کو منکوحہ سمجھتی ہوں۔

تم جانتے ہو! اس عورت کا کیا حال ہوتا ہے جو محبت کرتی ہے! پناہ بخدا وہ نہیں جانتی کیا بن جائے گی! کیا ہو جائے گی۔ وہ اپنی محبت سے حیران اور بے بس ہو کر مرد کی طرف تکتی ہے اور اس کے اشارہ کا انتظار کرتی ہے۔ جو کچھ مرد اس کو بنانا چاہتا ہے وہ بن جاتی ہے۔ وہ اپنے تخیل میں مرد کی عجیب عجیب تصویریں بناتی ہے۔ ان تصویروں کی پوجا کرتی ہے! ——— پھر جب اس کے پیہم آنسو ان تصویروں کے رنگ و روغن کو دھو ڈالتے ہیں، تب وہ مرد کی حقیقت کو عریاں دیکھتی ہے اور حیران و بد حواس ششدر رہ جاتی ہے "یہی مرد ہے جس پہ میں مرتی تھی؟"

اس پہلی محبت کی گرم جوشی میں میری رفتار بہت تیز تھی، بہت کم عرصہ میں میں نے بہت زیادہ فاصلہ طے کر لیا۔ دوشیزگی کے خلوت خانے سے نکل کر بازار میں آ گئی اور اب شاہراہ عام پر اس طرح برہنہ کھڑی ہوں کہ میری تجارت کا اشتہار میرے گلے میں آویزاں ہے، میری پیشانی پر کندہ ہے دنیا استہزا کرتی ہے، منہ چڑھاتی ہے، میرے منہ پر تھوکتی ہے طرح طرح سے میری تحقیر کرتی ہے اور پھر مجھ ہی کو خریدتی ہے۔ دن بھر مجھ گنہگار سیاہ کار، زانیہ کو سنگسار کرتی ہے اور رات کو میرے قدموں پر سر رکھ دیتی ہے۔

میرا وہ پہلی شب کا بہکانے والا، اب عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر مخلوقِ خدا کے درمیان حق و ناحق کا فیصلہ کرتا ہے۔ عدل کرتا ہے، انصاف کی ترازو کے دونوں پلے برابر رکھتا ہے، سزائیں دیتا ہے، تعددِ ازدواج کا حامی ہے۔ عورتوں کو شوہروں کی اطاعت کی تلقین کرتا ہے، مردوں کو عورتوں کے متعلق ان کے حقوقِ مالکانہ کی تعلیم دیتا ہے، مہر و نفقہ و طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے "شریعتِ حقہ" کا حامل ہے اس کی عدل گستری کی دھوم ہے! ——— میں اس کے شہر میں جا کر سرِ راہ ایک بالا خانے پر بیٹھنا چاہتی ہوں! تاکہ جب وہ عدل و انصاف کا پتلا بازار میں سے گزرے تو میں اس سے پکار کر کہوں کہ او جانے والے! او سراپا عدل و انصاف! ذرا سر اٹھا کر ادھر دیکھ! ایک بیسوا بھی انصاف چاہتی ہے! ذرا آنکھیں ملا کر اس کا سلام قبول کر! اور اس محبت کو جو تو نے کبھی اس بیسوا کے دل میں پیدا کی تھی روندتا ہوا ٹھکراتا ہوا گزر جا۔ اگر تیرا انصاف یہی چاہے تو اس بیسوا پر حدِ شرعی جاری کر دے۔ یہ بیسوا جب عورت نہ بنی تھی اور محض ناکردہ گناہ لڑکی تھی تو اے انصاف کے دیوتا تو اس کی اٹھتی جوانی سے کھیلا کرتا تھا۔ پچھتاوا ہے؟ آج تو مجھے عصمت فروش کہتا ہے؟ تیری تعزیرات میں جسم کا فروخت کرنا اس قدر بڑا جرم ہے! تو جو زندگی کے ہر صیغہ میں، تجارت میں، سیاست میں، علم کی مسند پر بیٹھ کر، عدالت کی کرسی پر، اپنا دماغ بیچتا ہے اخلاق بیچتا ہے، ایمان بیچتا ہے تو یہ کچھ بھی گناہ نہیں؟ عدالت کی میزان میں دوسروں کے گناہوں کے تولنے والے، عقل و دماغ کا کچھ بھرا گٹھا کے لئے بازار میں فروخت کرنا اور اس کے معاوضہ میں تنخواہیں، مشاہرے، وظیفے اور منافع حاصل کرنا ذرا بھی عیب نہیں۔ مگر عیب ہے اور گناہ ہے، پاپ ہے۔ تم چند روز میں خاک میں مل جانے والے جسم کو نیلام کرتا، تم اپنی روح چند پیسوں کے لئے شیطان کے ہاتھ فروخت کر دو تو واقعہ قابل ذکر بھی نہیں لیکن میں اپنے جسم کے دام وصول کروں تو میں پاپی ہوں ذلیل عصمت فروش ہوں اس لئے کہ بازار میں دکان لگانے بیٹھی ہوں، اور تم بڑے مہاتما ہو اس لئے کہ اپنے دماغ، اخلاق، ایمان اور روح کو فروخت کرتے ہو۔ کسی کے اندر جس قدر زر و جواہر ہے اس کو سڑکوں پہ لٹا پھرو کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ لیکن چند پیسہ کا خالی کیسہ فروخت کیا جانے تو وہ شدید اخلاقی جرم ہے! لفافہ کے اندر جو دستاویزیں محفوظ ہیں ان کو چاہو تو جوہری کی دکان پر بیچ ڈالو۔ اگر لفافہ پھٹا پرانا بھی ہو تو اس کا فروخت کرنے والا گردن زدنی

ہے! ظاہر پرستوں کی عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں۔ انار کے دانے نکال کر تم ہر ایسے گدھے کے سامنے ڈال دو گے جس کی جیب کا پیسہ تمہاری جیب میں آئے لیکن انار کا سوکھا ہوا چھلکا اگر فروخت کیا جائے تو تم فروخت کرنے والے کو پھانسی دے دو گے! عصمت فروش تم ہو یا ہم ہیں؟ تم اپنے بہترین قوائے عقلی دماغی و روحانی کی تجارت کرتے ہو۔ تمہارے دیوان خانے تمہارے بالا خانے ہیں، تمہارے دفتر تمہارے کٹم خانے ہیں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، علمی اداروں میں سرکاری ملازمت میں، اخبار کے کالموں میں، صنعت و حرفت کے کارخانوں میں، ہر جگہ تمہارا علم و فضل بازار کے بھاؤ فروخت کیا جا رہا ہے۔ ہماری طرح تم بھی اپنے خصائل پر ملمع کر کے ان کے بھاؤ بڑھاتے ہو جس طرح ہم اپنے رخساروں پر پاؤڈر لگا کر اپنی قیمت بڑھاتے ہیں! پھر ہم میں اور تم میں فرق کیا ہے؟ ہم جسمانی حیثیت سے عصمت فروش ہیں اور تم معنوی حیثیت سے! ———

——— جب انصاف کا وہ دیوتا! وہ میرا پہلا مرد، میرے بالا خانہ کے نیچے سے گزرے تو میں اس سے کیا کیا نہ کہوں ———؟ اس قدر چلا چلا کر کہ سارا بازار سنے!

ایسی ایسی باتیں سوچا کرتی ہوں، پھر جو کوئی چاہنے والے آ جاتے ہیں تو ان سے کھیلنے لگتی ہوں! سچ بتاؤ تم نے جو نکاح کا پیغام مجھے بھیجا ہے وہ کس جذبہ کے ماتحت ہے شاید ——— تم کچھ محبت مجھے دے سکو، مگر کیا وہ عزت و احترام جو بیوی کا ہونا چاہیئے، وہ منصب جو بیوی کے لئے مخصوص ہے، وہ بھی تم مجھے دے سکو گے؟ دنیا تم کو اجازت دے گی کہ تم مجھے بیوی بنا کر بیوی کی طرح میری عزت کر سکو؟ اس کلنک کے ٹیکے کو کیسے چھپاؤ گے جو میری پیشانی پر ہے؟ کوئی مرد ہے کہ کہے اے عورت میں تیرے لئے دنیا کو چھوڑ دوں گا۔ میں اسے جیسی، اتنی۔ دنیا کسی کو کب چھوڑتی ہے۔ یہ ڈائن ہر شخص کے دامن سے لپٹی ہوئی ہے۔ میں اگر بیوی بن کر تمہارے گھر میں آ گئی تو بجائے اس کے کہ تم مجھے گندگی سے نکال کر پاک اور ستھرا کر دو، میری گندگی تم کو بھی لپٹ جائے گی اور سڑک پر چلنے والے تمہاری دیواروں کے سایہ سے بچ کر گزرا کریں گے اور کہیں گے اس مکان میں ایک نجس عورت رہتی ہے! ایسا نہ ہو کہ اس کا سایہ ہم کو نجس کر دے، بڑے بڑے غیرت مند اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہیں گے۔ اس گھر کی عورت ملنے کے قابل نہیں، اس طرف نہ جائیو! میں ایک کوڑھی اور جذامی کی طرح تمہارے گھر میں تمام دنیا سے الگ محبوس رہوں گی، تم کب تک اس پریشانیٔ خاطر کو برداشت کر سکو گے، عیاشی کے سلسلے میں تم میرے یہاں آؤ یا میں تمہارے گھر جاؤں تو ایک خوفِ خدا رکھنے والی دنیا کو تم پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ سب کہیں گے "ارے بھائی وہ ابھی نوجوان ہے، خدا نے دولت دی ہے، عیاشی کرتا ہے۔ کر لینے دو۔ سب ہی کیا کرتے ہیں!" مگر جب میں تمہارے گھر میں بیوی بن کر بیٹھوں گی تو وہی تمہاری عیاشی پر جواز کا فتویٰ دینے والے ناک بھوں سکوڑ کر کہیں گے "لاحول ولا قوۃ! اس لڑکے کا کیسا نالائق نکلا، بنجارا نکلا، خاندان کا نام ڈبو دیا۔ توبہ توبہ!" پھر کس کس سے تم بحث کرو گے؟ کس کس کو تم سمجھاؤ گے کہ تم نے زندگی کی ایک ڈمرتی ہوئی ناؤ کو بھنور سے نکالا ہے، تم نے ایک ناسور پر مرہم رکھا ہے۔ تم نے بدی کے خلاف نیکی کا جہاد کیا ہے۔ ساری دنیا تم کو دھتکارے گی، تم ہر طرف سے ٹھکرائے جاؤ گے اور میرا کوڑھ تم کو بھی لگ جائے گا۔

جوشِ عشق میں دنیا والوں کو بھول نہ جاؤ۔ خدا تو اپنے بندوں کو ایک ہی دفعہ مارتا ہے مگر دنیا والے اپنے مجرموں کو دن میں ہزار ہزار طریقوں سے قتل کرتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا کئے جاتے ہیں۔ تم میرے عشق سے پیچھا چھڑاتے ہو مگر ان دیوتاؤں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ وہ شکاری کتوں کے ایک غول کی طرح تمہارے دامن سے لپٹے رہیں گے! قوم کے "معززین" کہیں گے اس کا چال چلن خراب ہے۔ "مولانا فرمائیں گے "وہ فاسق و فاجر ہے۔" شیخ صاحب تمہارا نام لے کر لاحول پڑھیں گے۔ "میر صاحب" زبان سے کچھ نہیں مگر ترچھی آنکھوں سے تمہاری طرف دیکھیں گے ——— پھر کیا کرو گے؟ میرے دوست! زنا بہت بڑا اخلاقی گناہ ہے مگر صرف عورت کے لئے، مرد زانی ہو تو بھی معصوم ہے۔ عورت زانیہ نہ بھی ہو مگر غیر مردوں کے ساتھ کچھ ارتباط رکھتی ہو تو وہ

گردن زدنی ــــــ یہ مرد کا قانون ہے! ہمارے دامن کا کوئی دھبہ دھویا نہیں جا سکتا، ان کے دامن کے لاکھوں دھبے ایک شب میں صاف ہو جاتے ہیں ــــ زنا اور شراب اور اس سے بھی بدتر خصائل مرد کے لئے عیب نہیں، صرف عورت ہی کو پھانسی اور سولی کے قابل بنانے میں ــــ یہ قانون مرد کا ہے! "سوسائٹی" ہر بدمعاش مرد کے چادر کے دھبوں کو باآسانی نظر انداز کر سکتی ہے مگر عورت کی چادر کی ہر شکن اس کو گناہ اور کرم سے آلودہ نظر آتی ہے۔ بڑی سے بڑی داڑھی لگا کر، بڑے سے بڑا عمامہ باندھ کر لمبے سے لمبے چغے پہن کر تم اپنے حجرے میں گناہ کرو، لوگ کہیں گے عبادت کر رہے ہیں، وہ تمہارے ہاتھ چومیں گے، مگر ہر عورت جو تمہارے بنائے ہوئے قانون کے خلاف مسندی کرے گی۔ تمہاری نظر میں فاحشہ ہوگی، مرد کی اس شریعت محکم کی گرفت سے نکل کر ہم تم کہاں جا سکتے ہیں! بہتر یہ ہے کہ اس فسق و فجور پر ہی قناعت کرو! ہر شب مجھ سے بیاہ کر لیا کرو اور ہر صبح مجھے طلاق دے کر گھر چلے جایا کرو ــــ شب بھر کے لئے نکاح اور دن بھر کیلئے طلاق!

بیسواں خط

پرسوں والا نکاح کا پیام ابھی بھولی نہیں ہوں، میں جانتی ہوں تم مردوں کی ــــ جو اس قدر انسان نہیں ہوتے جس قدر حیوان ہوتے ہو ــــ محبت کیا ہوتی ہے ــــ نکاح کے پہلے تم لوگوں کو ہم سے وہ محبت ہوتی ہے جو مکڑی کو مکھی سے "آ میری جان! میرے غریب خانے میں قدم رنجہ فرما، آ، اے مہمان عزیز! میں تیرے لئے بے چین ہوں!" مکڑی کہتی ہے اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے معلوم ہے! یہ تو نکاح سے پہلے کی باتیں ہیں، پھر نکاح کے بعد مرد کو عورت سے جو محبت ہوتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے جیسی مالک کی محبت اپنے پنجرے میں پلے ہوئے طوطے اور مینا کے ساتھ، گھر کی بلی کے ساتھ، گھر کے کتے کے ساتھ! مالک اگر خوش ہے تو طوطے کے پنجرے میں مزیدار پھل رکھے ہوئے ہیں بلی کے سامنے دودھ کا بھرا پیالہ رکھا ہے۔ کتے کو دسترخوان کے بہترین لقمے مل رہے ہیں! پھر جو "سرکار" کو غصہ آیا، مزاج بگڑا تو طوطے کا پنجرا الٹ کر پھینکا جا رہا ہے۔ بلی مار کھا رہی ہے کتے کی کمر پر چابک پڑ رہے ہیں! ہم عورتیں تمہارے گھروں میں نرم کھال والی پالتو بلیاں جو گھر کی دیواروں کے اندر اندر خرخر کرتی پھرتی ہیں، جب دیکھا کہ مالک خوش ہے تو اس کی گود میں چڑھ گئیں، لیکن اگر مالک کی نظر بدل گئی مزاج برہم ہوا تو ہم گرد اور بستر سے نکال کر پھینک دی جاتی ہیں چھپتی پھرتی ہیں، ہماری مجال نہیں کہ سامنے آئیں، کہیں باورچی خانے کے کسی کونے میں کہیں کسی اندھیری کوٹھڑی میں چھپی ہوئی پڑی ہیں، ہر وقت دھتکار دیئے جانے کا اندیشہ ہمارے دلوں کو لوٹ رہا ہے اور اصل گھر کی چار دیواری میں بیویاں، اچھے درجہ کی کنیزیں ہوتی ہیں "سرکار" ان کو اپنے دسترخوان پر بٹھا لیتے ہیں، اپنے بستر میں سلا لیتے ہیں، اچھے اچھے لباس اور زیور عطا فرماتے ہیں تو یہ سب "سرکار" کا کرم ہے، بیویوں کا کام یہ ہے کہ عاجزانہ شکریہ کے ساتھ ان نوازشوں کو قبول کریں اور ہمیشہ دست بدعا رہیں۔ اس لئے کہ "سرکار" ہی کے دم سے ان کا سہاگ قائم ہے۔

مرد کے گھر میں عورت کی یہ حقیقت ہے ہم سونے چاندی کے خوبصورت گلدان ہیں جو تمہارے دسترخوان کی آرائش کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ گھر کے طاقوں میں سجائے جاتے ہیں، ہم مزیدار چٹنیاں ہیں تمہارے نفس کی اشتہائے کاذب کو تسکین دینے کے لئے دسترخوان پر رکھی جاتی ہیں۔ تم اپنے گھر اور بستر کو سجانے کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر خوبصورت عورتیں لاتے ہو، تم ان کو خوبصورت لباس اور زیور پہناتے ہو، تاکہ اپنے گھر میں اپنے لئے ایک جنت نگاہ تیار رکھو، ہمارے جسم میں عطر کی مہک چاہتے ہو تاکہ تمہارے بستروں میں وہ مہک سما جائے تم ہماری آرائش و زینت سے اپنے نفس کو تحریک کھانا چاہتے ہو، تم یہ سب کچھ جو ہمیں دیتے ہو اپنی اور اپنے نفس کی خاطر ہمیں دیتے ہو ــــــ اس لئے نہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں مگر احسان ہماری گردنوں پر رکھتے ہو!

مرد جب اپنے بستر کے لئے عورتیں تلاش کرتا ہے تو اس کو سب سے زیادہ یہ فکر ہوتی ہے کہ عورت حسین ہو، چاہے وہ خود کتنا ہی مکروہ صورت ہو ــــ مگر عورت حسین چاہتا ہے۔ نکاح سے پہلے وہ لڑکی کی صورت دیکھ کر مطمئن ہونا چاہتا ہے مگر کبھی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اگر عورتیں بھی شادی سے پہلے مرد کی صورت دیکھ لینا چاہیں تو کیا گناہ ہے کیا بھیڑ بکریاں ہم ہی ہیں کہ تم ذبح کرنے کے لئے خریدنے سے پہلے ہماری کھال کو دیکھتے ہو کہ ڈھیلی ہوئی تو نہیں! ہماری عمر معلوم کرتے ہو کہ بوڑھی تو نہیں، ہمارے ہاتھ پاؤں دیکھتے ہو کہ دبلی تو نہیں۔ مہروں پر جھگڑتے ہو۔ قیمتی جہیز مانگتے ہو! اور اس طرح اپنے من کا سودا خریدنا چاہتے ہو ــــ!

ایک دن میں بمبئی کے ایک کم خانے کی سیر کرنے گئی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ضرورت مند مرد آتے ہیں اور تقریباً برہنہ عورتیں دس دس بیس بیس ــــ ان کے سامنے لا کر پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کو بے حیائی اور بے شرمی سے بھری ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، معائنہ کرتے ہیں، جانچتے ہیں، انتخاب کرتے ہیں، ان کے دام چکاتے ہیں ــــ قربانی کی ان بکریوں پر اس طرح تبصرہ ہوتا ہے۔

"آنکھیں تو اچھی ہیں مگر چہرہ دبلا ہے"
"رنگ و روغن تو برا نہیں مگر جسم بھدا ہے!"
"یوں تو بری نہیں مگر آنکھیں ذرا چھوٹی ہیں"
"ہونٹ ذرا موٹے ہیں اور ناک چھوٹی ہے"
"دانت بدنما ہیں۔ کمر موٹی ہے!"

میں تم سے پوچھتی ہوں، کیا وجہ ہے کہ ایک دن وہ نہ آئے کہ ہم بھی مردوں کو اسی طرح اپنے سامنے حاضر کرکے نہ جانچیں اور پرکھیں کم خانوں میں عورتوں کے بجائے مرد رکھے جائیں! اور عورتیں جا کر ان کا بھاؤ طے کیا کریں۔ وہ سب ہمارے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں اور ہم بھی مردوں کی طرح تنگ دل اور بے حیا ہو کر ان پر تبصرہ کیا کریں!

"یہ کالا ہے!"
"یہ بھدا ہے"
"یہ کانا ہے"
"اس کی آنکھ ٹیڑھی ہے، کان بڑے بڑے ہیں!"
"اس کی داڑھی میں الجھیڑے ہیں"
"یہ گنجا ہے"
"اس کا سانس متعفن ہے، اس کے دانت میلے ہیں"

پھر تم سے ہماری عصمت کے چھینے والو! ایسا خوفناک انتقام لیا جائے کہ آسمان کے فرشتے تمہارا حال دیکھ کر کانپنے لگیں۔ صدیاں اس طرح گزر جائیں اور تم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عورتوں کے سامنے جھکائے جاؤ جس طرح آج تم بدست و پا عورتوں کو جھکاتے ہو، کچلتے ہو، پیستے ہو، آج ہم تمہارے وہ غلام ہیں جو ریگستانوں میں پتھر ڈھوتے ہیں۔ تاکہ تمہارا فتح کا مینار تعمیر ہو سکے ــــ ہمارے شانوں پر تمہارے چابک پڑتے ہیں! تاکہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھانے سے انکار نہ کر سکیں ــــ انکار کا ایک سانس بھی نہ لے سکیں۔ ہم دریاؤں میں پھینکے جاتے ہیں کہ تم جیسے مگرمچھ اپنی غذا پائیں ــــ دیوتاؤں کی قربان گاہ پر رکھے جاتے ہیں تاکہ دیوتاؤں کا چہرہ ہمارے خون سے گلرنگ کیا جا سکے۔ پھر تمہاری فتح کے بعد جب ہم زخموں سے چور ہو کر میدان جنگ میں سسکتے ہوتے ہیں تو تمہارے شہسوار گھوڑے ہمیں روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں! کیا وہ دن کبھی نہ آئے گا کہ عورتیں تمہاری ہوس بھری آنکھوں میں سلائی پھیر کر تم کو اندھا کر دیں تاکہ تمہاری بے شرم آنکھ ان کے حسن کو دیکھ ہی نہ سکے! تمہارے کانوں میں گرم تیل ڈال کر تم کو بہرہ کر دیں۔ تاکہ وہ پھر کبھی عورت کی موسیقی سے آشنا نہ ہوں! تمہارے جسموں کو آگ اور دھوپ میں اس طرح خشک کر دیں کہ تمہاری ہڈیوں میں بھی نم باقی نہ رہے

اکیسواں خط

کل نکاح کے پیام کا جواب دیتے غصہ آگیا! آنا نہ چاہیئے تھا — تم بیوقوفوں پر غصہ کرنا فضول ہے۔ تم لوگوں کو تو محض استہزا اور تحقیر سے مارنا چاہیئے! تم لوگ اس قدر اخلاقی بلندی نہیں رکھتے کہ تمہاری باتوں پر غصہ اور رنج کا مظاہرہ کرکے میں اپنے اعصاب کو تکلیف دوں! کل میں نے تم کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ہم جیسے بدنصیبوں کے لئے تم لوگوں کی سوسائٹی میں نجات کے تمام دروازے بند ہیں۔ اگر تم مجھ جیسی عورت کو بیوی بنا بھی لو تب بھی لوگ تمہارے نکاح کو عیاشی سے کم نہ سمجھیں گے اس کے بعد اگر اولاد ہوئی تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ اولاد کے متعلق مرد کی ذہنیت بہت تمسخر انگیز ہے، اس سے تو اس کو بحث نہیں کہ اولاد پیدا کرنے کا فطری جذبہ کیا ہے؟ اور اس تخلیق کا اصل اصول کیا اہمیت رکھتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ فطرت کا یہی سب سے بڑا قرضہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ تندرست اور توانا اور نیک خصلت اولاد پیدا کرکے نسل انسانی کو قائم رکھے۔ عموماً اولاد کا پیدا ہونا، مرد کی زندگی میں ایک حادثہ ہوتا ہے۔ وہ اولاد بھی اس کی عیاشی اور نفس پروری کا ایک گندہ اور مکروہ نتیجہ ہوتی ہے! اولاد ہونے کے بعد مرد کے اندر اس کی خودبینی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ اولاد کو اپنی قوت مردانہ کا ناقابل انکار ثبوت سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے جس طرح دہقان کی محنت و جفاکشی اور قوت تخلیق اپنے کھیت کی سرسبزی میں محسوس کرتا ہے اسی طرح مرد بھی مزرعۂ حیات میں اپنی قوت تخلیق کے اس مظاہرہ پر احمقانہ ناز کرتا ہے۔ جس طرح چرواہا اپنے گلے کی تعداد بڑھنے سے خوش ہوتا ہے مرد بھی بچوں کا باپ بن کر اپنی سلطنت میں اپنے محکوموں کی تعداد کا اضافہ پسند کرتا ہے، وہ جو ایک احساس قوت اور غرور مالکانہ مرد کے اندر ہے اس کو اولاد کی پیدائش توانا کرتی ہے۔ باپ اپنے بچے کو گود میں لے کر بیٹھتا ہے تو وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ بچہ قانون قدرت کا تقاضا، اور دو مختلف جنسوں کے اتصال کا قدرتی نتیجہ ہے، وہ اس کو محض اپنی مردانہ قوت کی دلیل محکم سمجھتا ہے! اور بس! گویا عورت غریب کو مرد کے اس کارنامے میں کوئی دخل نہیں! وہ محض بچے کی ماما اور کھلائی ہے اور منجملہ اور خدمتوں کے اپنے آقا کی یہ خدمت بھی بجالاتی ہے کہ اس کی اولاد کو پرورش کرے۔ اولاد پر جو کچھ احسان ہے وہ باپ کا ہے۔ ماں تو محض شمار کا ایک چھوٹا سا عدد ہے، حالانکہ بسا اوقات وہ یہ بھی جانتی ہے — کہ ابا جان کی گود میں، ان کی شوہریت کا پیشتر حصہ مقوی اور ماء اللحم خالص بنانے والے دواسازوں کی کیمیاوی ترکیبوں کا نتیجہ ہے! وہ جانتی ہے کہ "سرکار" کی قوت تخلیق کس درجہ یونانی دواخانوں کی رہین منت ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ جب فطرت کا حقیقی تقاضا، جوانی کی بدکاریوں میں خارج از فطرت زائل ہو چکا تب یہ پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا ہے۔ مجھے مردوں کی نفسیات سے اس قدر واسطہ پڑتا ہے کہ دن رات عجب عجب تمسخر انگیز اور عبرت آموز تماشے دیکھا کرتی ہوں بارہا اپنے عشاق کامگار کی جیبوں سے میں نے مقویات اور مبہیات کی پڑیاں پکڑ لی ہیں۔ مجھ سے چھپا چھپا کر جب وہ اپنے منہ میں گولیاں رکھا کرتے ہیں تو میں نظر بچا کر دیکھ تو سب کچھ لیتی ہوں مگر کہتی کچھ نہیں، ضبط نہیں ہوتا تو منہ پھیر کر مسکرا لیتی ہوں۔ جب یہ بازاری حسن پرست ہم لوگوں کے گھروں میں قدرت کی دی ہوئی قوتوں کو ضائع کر چکتے ہیں تو پھر کسی شریف لڑکی کو اپنا شریک زندگی بنا کر اس کی جوانی سے کھیلتے ہیں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنس کی مردانگی جسے مرد بکتے ہیں، ۹۰ فیصدی خارج از فطرت اور محض تصنع ہے۔ مرد اور عورت کا جو جذبۂ فطری محض توالد و تناسل کے لئے فطرت نے پیدا کیا وہ جذبہ جدید تمدن اور اخلاق کی مصنوعات میں تقریباً فنا ہو گیا۔ اور اس کے بجائے ایک مصنوعی خواہش کے جراثیم دماغوں میں پیدا ہو گئے جو غیر فطری ہوس پیدا کرتے ہیں، فطرت کا وہ تقاضائے صادق جو عورت و مرد کے اتصال کی سب سے مضبوط کڑی ہے، تمہاری ہوس کاریوں کی نذر ہو گیا — عورتیں جوانی کے تمام فطری تقاضوں کو اپنی عیاشی میں فنا کرکے اب جو تم نکاح کرنے چلے ہو تو سوائے اس کے کہ سائنس اور طب کے سہارے دو چار لولے لنگڑے، کانے، کھترے، روتے ہوئے بسورتے ہوئے مریض اور ناتوان بچے پیدا کر لو اور کیا کر سکتے ہو؟ تم مردوں کی حقیقت حال تو یہ ہے اور پھر تمہارا فریب اور غرور شوہر اور باپ بننے کا مدعی ہے۔

تم بھی دس منٹ کے لئے میرے عشق کی گرم جوشی سے فارغ ہو کر ذرا سوچا کہ میں اشاروں میں، آہوں، آنسوؤں، زخموں اور ناسوروں کی اس دنیا کا حال جس میں عورت رہتی ہے، کس کس طرح بیان کرتی ہوں، مگر تم مردوں کو اکثر پیش پا افتادہ حقائق کا احساس نہیں ہوتا — ایسے اندھے ہو — کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں کی مصنوعی خواہشات نفسانی نے عورتوں کی زندگی کو کس طرح تباہ کر ڈالا ہے اور تمہاری آئندہ نسلوں کے مستقبل کو کس درجہ تاریک کر دیا ہے؟ عورتوں کی صحت کا بگاڑنے والا ۹۰ فیصدی تم لوگوں کی ہوس پرستی کا جذبہ جابرانہ ہوتا ہے۔ خودمختار بادشاہ بن کر تم سمجھتے ہو کہ عورت کو تمہاری ہر غیر فطری خواہش کا غلام ہونا چاہیئے۔ تم چند لمحے نفسانی تعیش کے چاہتے ہو اور تمہارے خیال میں عورت کا فرض ہے کہ وہ جس حال میں بھی ہو — بیمار ہو — معذور ہو — تمہارے نفس کے حکم کی تعمیل کرے۔ تمہارے جلد جلد پیدا کئے جانے والے کمزور بچوں کی پرورش کرتے کرتے اگر وہ مر گئیں تو اس کی بھی تمہیں زیادہ پروا نہیں ہوتی، ہزار عورتیں ہیں جن کو تم بیاہ کر لا سکتے ہو۔ ہزار والدین موجود ہیں جو اپنی بیٹیوں کو شریعت کے نام کی آڑ میں تمہارے ہاتھ فروخت کر ڈالیں گے! تمہارے نفس کا مشغلہ مسلسل جاری رہنا چاہیئے۔ جنگل کی ہرنیاں پیدا ہی اس لئے ہوتی ہیں کہ ہر وقت شکاری کے نشانے پر حاضر رہیں!

مردوں کی تمام ازدواجی زندگی یک طرفہ ہوتی ہے، کتنی زندگیوں کے دریا تمہاری پیاس نے خشک کر دیئے مگر تم نے صرف اپنی ہی پیاس کو یاد رکھا دریا کا پانی خشک ہوا جاتا ہے۔ اس کی کبھی پروا نہ کی! جب ضرورت ہوئی اپنی نفس پرستی پر اللہ اور اس کے رسول کو دلیل لائے۔ روتی، بسورتی، بیمار، اپاہج، اولاد کی کثرت بھی تمہارے خیال میں گویا اللہ پر تمہارا ایک احسان ہے "امت محمدی کی تعداد کا بڑھانا ہر مسلمان کا فرض ہے"! گویا نعوذ باللہ! خدا تم سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم کانے لولے، لنگڑے، جس قدر بچے پیدا کر سکو، کئے جاؤ۔ مرنے دو اگر تمہاری بیویاں بچے پیدا کرتے کرتے مر جائیں۔ بچوں کے پیدا کرنے میں کوئی ایسی رکاوٹ گوارا نہ کرو جو تمہارے تعیش میں حارج ہو! اگر مجاہد پیدا نہیں کر سکتے، اگر آزاد شہری پیدا نہیں کر سکتے، اگر تندرست و توانا بچے پیدا نہیں کر سکتے تو کچھ پروا نہیں۔ چوہے کے بچے پیدا کرو، اندھے پیدا کرو، جذامی پیدا کرو، غلام پیدا کرو، بھنگی اور چمار پیدا کرو — پیدا کئے جاؤ! تاکہ امت محمدی کی تعداد میں اضافہ ہو! کبھی تم نے — میرے ہونے والے شوہر — اس پر بھی غور کیا کہ تمہاری جنس کے کتنے افراد اس زمانے میں ایسے ہیں جو اپنی بیویوں اور اولاد کو اپنی بدمعاشیوں سے حاصل کئے ہوئے متعدی امراض میں حصہ دار بناتے ہیں اور اپنے گناہوں کی وراثت اس طرح اپنی آنے والی نسلوں کو بخش دیتے ہیں، یہ لوگ دیدہ دانستہ شادیاں کرتے ہیں، اولاد پیدا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یونہی ہوا کرتا ہے، یونہی ہونا چاہیئے۔ بیویاں مرا ہی کرتی ہیں، مرد امراض خبیثہ میں مبتلا ہوا ہی کرتے ہیں پھر کیا شادی بیاہ کا سلسلہ بند کر دیا جائے!

جب ازدواجی زندگی کی یہ جبل گاڑی نہیں چل سکتی اور مرد کی ہوس ناکی کے مظلوم شکار دم دے دیتے ہیں تو مرد کس قدر روتا اور چلاتا ہے۔ "ہائے میرا گھر تباہ ہو گیا"۔ "ہائے میں اکیلا ہو گیا!" — چند روز تو اس قدر چیختا چلاتا ہے گویا عنقریب وہ بھی مرحومہ کی قبر میں اپنا گھر بنا لے گا لیکن دو ہی تین ماہ کے بعد عقد ثانی کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے! کہتا ہے "کیا کروں، روٹی، پانی کی تکلیف ہے، دوسرے نکاح پر مجبور ہوں، نہ کروں تو کیا کروں! بچے بے آرام ہو گئے، تنہائی میرے لئے عذاب جان ہے"۔ حالانکہ ان عذرات کے پردے میں نفس کا ایک شدید تقاضا روپوش ہوتا ہے، جو ستر اسی برس کے بوڑھوں کو بھی عقد ثانی پر بآسانی آمادہ کر لیتا ہے۔ مردوں کے لئے تو "عقد ثانی" اس قدر ضروری ہے مگر "شرفاء" کے گھروں میں بیوہ کی شادی کا سوال اب تک بہت معیوب ہے! — یہ سب

بینش یا افتاد حقائق ہیں ـــــ تم نے کبھی غور نہ کیا ہوگا مگر میں خوب جان گئی ہوں ـــــ مرد کی مکاریوں کو!

بعض وقت میرا دل ایک بہت بڑا کٹہرا ہوتا ہے جس کے اندر بیسیوں غضب ناک شیر غراتے ہوتے ہیں، ایک گہرا اور اندھا کنواں ہوتا ہے جس میں سے خوفناک آوازیں آتی ہیں، میری اس حالت کا تم احساس نہیں کر سکتے. جب میں اپنے اور تمہارے درمیان روحانی محبت کا تصور کرتی ہوں تو تم مجھے اتنی دور نظر آتے ہو جیسے آسمان پر ایک تنہا سا ٹمٹماتا ہوا تارہ. جب میں تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی اور اس کی پابندیوں کا خیال کرتی ہوں تو تم مجھے ایسے نظر آتے ہو جیسے ایک خونخوار بھیڑیا ـــــ جس کے جسم سے بدبو آرہی ہو اور جس کے دانتوں سے خون ٹپک رہا ہو ـــــ اپنے بلی کے بچے کو میں گود میں لے کر سلاتی ہوں وہ گھنٹوں میری گود میں سوتا رہتا ہے اور میں پہروں اس طرح ساکت بیٹھی رہتی ہوں کہ میرے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے ہیں صرف اس لئے کہ حرکت کرنے سے بلی کا بچہ بے آرام نہ ہو جائے ـــــ کبھی کبھی تم بلی کے بچے کی طرح میرے تصور میں آتے ہو. شاید میں اگر تم سے نکاح کر لوں تو اتنی سی محبت تمہارے لئے میرے دل میں پیدا نہ ہو جائے ـــــ مگر ـــــ جب خواہشات نفسانی کی شدت سے تمہارا تمتمایا ہوا چہرہ چمکتی ہوئی آنکھیں، بگڑی ہوئی صورت یاد آتی ہے جب تمہاری ان خوفناک آنکھوں کا خیال آتا ہے جس کے اندر میں شیطانی شعلے، چمکتے ہوئے دیکھتی ہوں اور محبت کی روشنی نہیں پاتی! ـــــ جب تم محبت کی ان تمام گفتگوؤں کو بھول جاتے ہو اور اپنے ملعون نفس کے ہاتھوں سے میری نسائیت کا گلا گھونٹنے پر تلے ہوتے ہو ـــــ جب تمہاری یہ کیفیت مجھے یاد آتی ہے تو میری انگلیوں میں فولاد کی سختی اور پھانسی کے پھندے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور میرے اندر ایک شدید جذبہ سر اٹھاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کسی دن اپنے عاشقوں کا گلا گھونٹ گھونٹ کر اپنی خواب گاہ کو لاشوں سے پاٹ دوں.

بائیسواں خط

نکاح کے مسئلے پر میری "پریشان خیالی" تمہیں ستا رہی ہے. آپ کی رائے میں میں "دماغی توازن" سے محروم ہوں. سچ کہتے ہو آج فرصت نہیں، تمہارے کئی رقیب صبح سے میرے سر پر سوار ہیں. ایک دو دن بعد ذرا دیکھوں گی کہ تمہارے اندر کتنا "توازن" ہے! کہیں سے ایک اصلاح سن بھاگے ہو، خاک نہیں جانتے کہ توازن کسے کہتے ہیں ـــــ ؟ عشقیات کے مدرسہ میں سارا پڑھا لکھا بھلا بیٹھے! پہلے اپنے توازن کو تو دیکھئے! میں بیچاری ناقص العقل، مجھ پر تبصرہ فرمانے کی زحمت [illegible] گوارا فرمایئے گا! میرے حسن کی مصنوعات پر آپ کا دم نکلتا ہے ـــــ یہ آپ کا "توازن" ہے! مجھ سے عشق فرماتے ہیں ـــــ یہ آپ کا "توازن" ہے ـــــ یہ آپ کا "توازن" ہے کہ میرے عشق میں دن بھر رو دیئے رات بھر جاگ گئے پھر دن بھر رو دیئے، پھر رات بھر جاگ گئے اور دن بھر رو دیئے! جاگ گئے تو میرے نام بیٹھے ہوئے عاشقانہ خطوط لکھتے رہیئے، سو گئے تو مجھے خواب میں دیکھئے. مجھ سے ملاقات ہو گئی تو "وصل" ہے ورنہ "فرقت" ـــــ! یہ گویا آپ کا "توازن" ہے. یہ آپ کی زندگی کا دستور العمل ہے! تالاب میں رہنے والا مینڈک بھی تو یہی توازن رکھتا ہے! کیچڑ میں کودتا ہے، تالاب کے کنارے بیٹھ کر چیختا ہے. برسات اس طرح گزارتا ہے پھر اگلی برسات تک کے لئے غائب ہو جاتا ہے. جو کچھ اس کے تالاب میں ہے وہ سب اس کو معلوم ہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتا! اس مینڈک کی زندگی کا توازن بھی وہی ہے جو آپ کا ہے! درحقیقت تم جیسے عشاق میرے عشق کے دائرہ میں اس طرح بند ہیں جس طرح مینڈک تالاب میں! میں اپنے گرد و پیش ساری دنیا کو دیکھتی ہوں اور وہ لوگ جو میرے زلف و ابرو کی حدود میں نظر بند رہتے ہیں، انسانوں کو ایک ہڈی پر غراتے اور لڑتے دیکھتی ہوں، چار پیسے کے نفع کے لئے ایک دوسرے کا گلا گھونٹتے ہیں، شخصی اقتدار و سیاسی قوت کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی قبریں کھودتے ہیں بہت سے وہ ہیں جو تمہاری طرح اپنے نفس لئیم کی تسکین کے لئے عورتوں کی زندگی اور اپنی جوانی برباد کرتے ہیں اور جوانی برباد کرنے کے بعد بھی اپنے بڑھاپے کو ہمارے قدموں میں ڈال دیتے ہیں. کچھ وہ ہیں جو "روحانیت" "طریقت" "معرفت" اور "تصوف" کا جامہ پہن کر ایمانوں کو لوٹتے ہیں ـــــ اور "قال اللہ و قال الرسول" کے پردے میں لوگوں کے کپڑے اتار لیتے ہیں. بہت وہ ہیں جو زندگی بھر نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتے ہیں. میں تم سب کو اسی طرح لڑتے جھگڑتے، مارتے مرتے اچھلتے ڈوبتے، فنا ہوتے دیکھتی ہوں اور تم لوگوں کی بدحالی سے یہ سبق لیتی ہوں کہ دنیا کو پھر ایک طوفان نوح کی ضرورت ہے جو ایک ہی دفعہ زندگی کا سارا نظام درہم برہم کر دے اس طرح کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے ـــــ پھر سطح زمین پر از سر نو زندگی کا نمو شروع ہو اور نظام قدرت کا وہ توازن جس کو تم نے تباہ کر دیا ہے، پھر ایک دفعہ اس دنیا میں قائم ہو جائے ـــــ تم اپنی ترازو میں جس کا پاسنگ غلط ہے ہر عورت کو تولتے ہو، پھر جو عورت تمہارے ترازو میں کم وزن نظر آتی ہے اس سے کہتے ہو کہ تیرا توازن خراب ہے! ہم جیسے گناہ گاروں میں صحیح توازن پیدا کرنے کے لئے جب آپ کوئی مدرسہ قائم کریں گے تو میرا نام بھی طلبا کی فہرست میں لکھ لیجئے گا! ابھی تو آپ کے توازن کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ میری صرف ایک جنبش میں، ایک خفیف مسکراہٹ میں تہ و بالا ہو جاتا ہے. میرے تیور ذرا بدلیں، میرے بالوں کی ایک لٹ ذرا ہوا میں جھولے، میری ساری کا پلو ـــــ آپ کے دامن سے چھو جائے ـــــ آپ کا "توازن" ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ جاتا ہے! کاغذ کے ناؤ کی طرح ڈوب جاتا ہے!! یہ جناب کا توازن ہے. اور میرا "توازن" یہ ہے کہ تم جیسے سینکڑوں بیوقوف، بدنصیبوں کی داستان عشق ـــــ آنسوؤں، آہوں اور ہچکیوں کے ساتھ اٹھ کر سنتی ہوں اور اپنی جگہ پر قائم ہوں، میرے عشاق روتے پیٹتے آتے ہیں اور روتے پیٹتے گزر جاتے ہیں. میں ایک مضبوط چٹان کی طرح وہیں ہوں جہاں تھی. جنگل کے سایہ دار درخت کی طرح جس کے سایہ میں ہر قسم کے مسافر آ کر دم لیتے ہیں. بھوکے، پیاسے، تھکے، ہارے، ہنستے، روتے ـــــ ایک دو ساعت ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ـــــ میں زندگی کے لق و دق صحرا میں کھڑی جھومتی ہوں! طوفان کی بجلیاں میرے سر پر کوندتی ہیں بادل جھومتے ہیں. برستے ہیں اور گزر جاتے ہیں، آندھیاں آتی ہیں اور اتر جاتی ہیں. آفتاب کی گرم شعاعیں اور ماہتاب کی ٹھنڈی روشنی مجھ سے لپٹتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہے. میں جس مرکز پر جم گئی ہوں، اسا ساری عمر وہیں گزار دوں گی. مجھے تم "توازن" سکھاؤ گے! ـــــ تم!!

تیئسواں خط

کل توازن والا خط ختم نہ کر پائی، ایک پرانے جاننے والے تشریف لے آئے تھے اور میں ان کے توازن کا امتحان لینے میں مصروف رہی! اس سلسلے میں مجھے اپنے عاشقوں کی ایک فہرست یاد آئی جو کچھ عرصہ ہوا میں نے مرتب کرنی شروع کی تھی. ایک دن شام کو سخت بارش ہو رہی تھی. عاشقان جانباز اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے پڑے تھے میں تنہا بیٹھی تھی، اسی زمانہ میں میرے ایک خدائی احکام کا پیام لے کر صبح و شام آیا کرتے تھے، بیٹھے بیٹھے میں نے سوچا کہ دنیا میں چھوڑ ہی کیا جاؤں گی، لاؤ نکاح کے رسیا مردوں کی ایک فہرست مرتب کر لوں تاکہ میرے مرنے کے بعد ان موذیوں اور بے وقوفوں کو جو آج میرے وجود پر طعنہ زن ہوتے ہیں اور اپنی جنس کی بلند مقامی پر ناز کرتے ہیں یہ تو معلوم ہو کہ ان ہی کی بلند مقام جنس کے کتنے افراد عالی مقام اپنی سوسائٹی کے خود ساختہ اصولوں پر لات مار کر مجھے نکاح کا پیام دیا کرتے تھے. شاید مردوں کے غرور کو اس فہرست سے کچھ ٹھیس لگے! تمہیں شرمانے کے لئے اس فہرست کا ایک ورق نقل کرتی ہوں. اصلی ناموں سے تم کو کچھ غرض نہیں، صفات کے متعلق اگر میرے مختصر اشاروں سے لطف اندوز ہو سکو تو ـــــ سمجھوں گی کہ تمہارے اندر عقل کی ایک رمق باقی ہے ـــــ بلقدر اشک بلبل، ناموں کے بجائے صرف نمبر لکھتی ہوں ـــــ ان ہی نمبروں میں کہیں تمہارا نام بھی ہوگا.

یہ لیلیٰ کا خاتمہ کلام ہے، اس کے ان عاشقوں کی یہ فہرست جو اس کو نکاح کا پیام دیا کرتے تھے، ان مکار مردوں کے لئے ایک عبرت انگیز دستاویز ہے جو عورت کو بدنام کر کے اپنی جنس

کا تفوق ثابت کیا کرتے ہیں ـــــ خود لیلیٰ نے مرتب کی یعنی بنت لیلیٰ ـــــ پیشہ عصمت فروشی، وطن ہندوستان ـــــ سمجھ دار، زود فہم، چالاک، ذہین، شریر، بدمعاش حرافہ ـــــ ۲۲ برس کی بڑھیا کھوسٹ ـــــ آج بتاریخ ـــــ ۱۹۳۱ء بمقام ـــــ قلمبند کی گئی تا کہ بعد وفات راقمہ ان نکاح کی خواہش کرنے والے عاشقوں کے لئے سند ہو!

(۱) ...... بجوروں کا شکاری ہمیشہ صبح کے وقت آتا ہے جب میری حرارت غریزی کم ہوتی ہے امید کرتا ہے کہ کسی نہ کسی دن میرے کسی کمزور لمحہ میں جیت جائے گا۔

(۲) ...... ڈیڑھ سو گھوڑوں کی طاقت والا عاشق! کوٹھے کے زینے پر بھاری قدم اس طرح ڈالتا ہے کہ گویا پولیس کا سب انسپکٹر تلاشی کا وارنٹ لے کر آ رہا ہے! حملہ بلاواسطہ اور بخط مستقیم کرتا ہے۔ میرے دو چار طمانچوں، دس بیس گالیوں سے ذرا افسردہ خاطر نہیں ہوتا، کھائے جاتا ہے اور اپنی کہے جاتا ہے!

(۳) ...... سئور کی طرح سر جھکا کر سیدھا حملہ کرتا ہے۔ جھونک غضب کی ہوتی ہے۔ اس کے راستے سے ذرا ہٹ جاتی ہوں تو اپنی جھونک میں گزرتا چلا جاتا ہے، رک نہیں سکتا ـــــ اسی طرح اس کے حملوں سے بچ نکلتی ہوں! ـــــ

(۴) ...... دیوانہ بیل، سر جھکائے، دم اٹھائے منہ سے جھاگ گراتا ہوا آتا ہے، کھال بہت موٹی ہے! ـــــ

(۵) ...... جرأت رندانہ کا بہت بڑا ذخیرہ رکھتا ہے ایک دفعہ موٹر میں اس کے ساتھ سوا کھانے گئی۔ عہد کر لیا کہ آئندہ فولادی زرہ بکتر پہنے بغیر ہرگز نہ جاؤں گی! ـــــ

(۶) ...... بلی کی سی چمکتی آنکھیں جو اندھیرے میں زیادہ چمکتی ہیں، دبے پاؤں آتا ہے، نرم کولے کے اندر نوکدار پنجے چھپائے ہوئے، اس طرح کونے میں آنکھیں نیچی کر کے بیٹھتا ہے ... جیسے بلی چوہے کے انتظار میں!

(۷) ...... رات بھر تاش کھیلتا ہے، سگریٹ پیتا ہے، صبح کو اخبار کا لیڈنگ آرٹیکل پڑھتا ہے اور دوپہر کے بعد پھر میرے عشق میں مبتلا ہو کر اور بھی زیادہ سگریٹ پیتا ہے اور بھی زیادہ تاش کھیلتا ہے۔

(۸) ...... بیمار ہے بیچارہ، حکیم صاحب کے مطلب سے اٹھ کر سیدھا میرے پاس آتا ہے مجھے دیکھتے ہی دیکھتے ضیق النفس کا دورہ پڑتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے!

(۹) ...... میں اس سے عمر میں ایک ہزار برس بڑی ہوں، پیدا ہونے سے پہلے بلکہ اپنے باپ کے پیدا ہونے سے بھی پہلے مجھ پر عاشق ہو چکا تھا ـــــ

(۱۰) ...... مالدار، بھولا، بوڑھا، مثنوی زہر عشق اور گلزار داغ کے اشعار پڑھ پڑھ کر روتا ہے! ـــــ

(۱۱) ...... نمبر ۱ سے مالدار، زیادہ بھولا، کم! ایک زوجہ محترمہ کا فی الحال بلا شرکت غیرے مالک، نکاح ثانی کی تمنا ہے۔ دس بارہ بچے پیدا کر چکا ہے۔ دس بارہ اور میری گود میں پیدا کرنا چاہتا ہے!

(۱۲) ...... باتونی، امیر، اور زندہ ہے! نکاح بھی کرنا چاہتا ہے اور جب تک میں نکاح پر راضی ہوں، ناجائز تعلقات سے بھی دست کش ہونا نہیں چاہتا ہے۔ بہر حال میں مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا، گندی مکھی کی طرح ہر وقت میرے کانوں میں بھنبھنایا کرتا ہے! ـــــ

(۱۳) ...... بہت مہذب، معقول، سنجیدہ، علمی مذاق رکھتا ہے! فلسفہ جنسیت کا بہت مطالعہ کرتا ہے مجھے بھی عورت اور مرد کے تعلقات کے متعلق ضروری مسائل سمجھاتا رہتا ہے! ـــــ

(۱۴) ...... قوم کا لیڈر ہے! شام کو جلسوں میں لکچر دیتا ہے رات کو کھدر کا لباس پہنے میرے گھر آتا ہے۔ زنان بازاری میں قومی جذبات پیدا کرنے کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ اپنی عشق بازاری کے ذریعے سے مجھے بھی قوم پرست بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے! ـــــ

(۱۵) ...... سرخ، کبھی سفید، کبھی بھورا ـــــ اُلّو ـــــ رنگ بدلتا رہتا ہے، دن بھر گھر میں لیٹا ہوا طلسم ہوشربا پڑھا کرتا ہے۔ رات کو میرے بالاخانے پر آ کر پڑا رہتا ہے تھوڑی سی افیون بھی کھاتا ہے! ـــــ

(۱۶) ...... حضرت مولانا کوٹھے پر نہیں آتے ـــــ پیام بھیجا کرتے ہیں۔ میرے سر میں درد کی خبر سنتے ہیں تو تعویذ بھیج دیتے ہیں۔ بظاہر اور فی الحال پدرانہ اور بزرگانہ شفقت فرماتے ہیں۔ اکثر میری موجودہ حالت پر اظہار افسوس فرمایا کرتے ہیں سنا ہے کہ مجھے نکاح پر آمادہ کرنے کے لئے وظیفہ یا کوئی عمل شروع کرنے والے ہیں!

(۱۷) ...... بی۔ اے پاس، ایل۔ ایل۔ بی۔ خوش رو، خوش پوشاک، شرمیلا، جوش عشق کا اظہار زبان سے کم مگر قلم سے بہت ـــــ زیادہ کرتا ہے۔ آدمی برا نہیں ـــــ ذرا بیوقوف ہے۔ عاشق بنتے بنتے اب خاوند بننا چاہتا ہے۔ بڑھتا آتا ہے! میں ہٹتی جاتی ہوں، وہ بڑھتا آتا ہے، ڈرتی ہوں کہیں پھنس نہ جاؤں! پیچھے دیوار ہے، سامنے وہ ہے، وہ بڑھتا ہی رہے گا تو میں کہاں تک ہٹ سکوں گی! مجھے بھاگ جانا چاہیئے!"

کچھ دیکھا، کچھ سمجھے! میری زندگی کے بیابان ریگستان میں کیسے کیسے اونٹ گزرتے ہیں! پھر میں ان سب کی نکیل ہاتھ میں رکھتی ہوں، کسی کو ایک قدم ادھر یا ادھر نہیں جانے دیتی! یہ کیا ہے اگر توازن نہیں ہے؟ یا دو کھو حسین کا مادہ قوی ہے اس کا "توازن" بھی صحیح ہوگا! ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی قوت ارادی زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ خود ظالم کا ظلم مظلوم کے عزم کو قوت بخشتا ہے جس کو تم عورتوں کی عیاری و مکاری کہتے ہو وہ تمہارے تیز پنجوں سے بچنے کے لئے ایک زرہ بکتر ہے جس کو استعمال کرنا تم ہی نے ہم کو سکھایا ہے!

اے باد صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست!

چوبیسواں خط

تمہاری کل رات کی گفتگو نے میرے زخموں کو بڑی طرح چھیڑ دیا ہے۔ اپنی زندگی کے حال و استقبال کا جائزہ لے رہی ہوں، معلوم نہیں کس نتیجہ پر پہنچوں دو چار دن مجھ سے دور رہو! میرے سامنے نہ آؤ، نہ مجھے خط لکھو ـــــ نہ پیام بھیجو ـــــ میں چلتے چلتے ایک دوراہے پر آ گئی ہوں۔ حیران ہوں کہ میری منزل کس سڑک پر ہے! للہ! سوچنے دو، سنبھلنے دو، دم لینے دو!

اگر تم نہ مانو گے اور میرے گھر آؤ گے تو میرا دروازہ بند پاؤ گے۔ خط لکھو گے تو بغیر پڑھے اس کو آگ میں ڈال دوں گی۔ انسان کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے، جب وہ اس منزل پر پہنچتا ہے جہاں "حال" کی سرحد ختم اور مستقبل کی سرحد شروع ہوتی ہے! ـــــ کل رات میں اس سرحد پر آ گئی، میرا تمام وجود روحانی حیران و ششدر ہے! یہ کیا ہو گیا! مجھے خبر بھی نہ ہوئی تم چھچھوندر کی طرح گھس آئے! آنکھیں بند کئے بھاگی چلی جا رہی تھی، سمجھتی تھی کہ یہی نجات کا راستہ ہے! ـــــ یہی راستہ آزادی کا ہے! ٹھوکر لگی تو اپنے کو اس منزل پر پایا جس منزل سے دور بھاگ رہی تھی! ایسے ہی حوادث کا نام تقدیر ہے؟ قسمت اسی کو کہتے ہیں! جب مشرق کی طرف منہ کر کے بھاگے اور مغرب میں پہنچ گئے۔ جب آسمان کی طرف پرواز کرتا ہو اور زمین میں دھنستا چلا جائے ـــــ وہی تقدیر ہے۔ میں تقدیر کا کھلونا دو چار دن کے لئے معتکف ہوتی ہوں، دو چار دن بعد جب اس اعتکاف سے باہر آؤں گی تو اپنی قسمت

کا فیصلہ کر کے آؤں گی ــــ دریا چڑھا ہوا ہے ــــ بند باندھ رہی ہوں! ــــ مجھے بند باندھنے دو! میں نے ہمیشہ حقارت اور استہزا سے تمہارے اور عائے عشق و عاشقی کو ٹھکرایا ہے! ــــ آج مغلوب ہوئی جاتی ہوں اور ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے مہلت دو کہ میں اپنا گلا گھونٹ لوں اے اللہ! اے معبود ــــ کیا یہ بھی نہ ہو سکے گا!

پچیسواں خط

بار بار مت لکھو! میں پڑھ نہیں سکتی، سن نہیں سکتی، میرے پاس کوئی جواب نہیں میں تپائی جا رہی ہوں، آگ پر رکھی ہوئی ہوں، شعلے بھڑک رہے ہیں، یا تو یہ لوہا پانی ہو کر بہہ جائے گا یا کسی نئے سانچے میں کوئی نئی شکل اختیار کرے گا ــــ دق نہ کرو! میں جل رہی ہوں ــــ پگھل رہی ہوں، گل رہی ہوں ــــ مٹ رہی ہوں!!

چھبیسواں خط

نہیں سنتے! نہیں سنتے، لکھے جاتے ہو، بکے جاتے ہو، میں ایک نئی دنیا کے دروازے پر کھڑی ہوں، میرے تخیل کے تمام دیوتا اپنے شہ نشینوں میں اوندھے پڑے ہیں! جس معبود کی میں نے ساری عمر پوجا کی وہ آج سر نہیں اٹھاتا، میرے لئے اس نئی دنیا میں جس کا دروازہ تم کھول رہے ہو، موت بھی ہے اور زندگی بھی ــــ کیا ملے گا ــــ کیا پاؤں گی؟ ــــ خبر نہیں!!

ستائیسواں خط

تمہیں جواب کا انتظار ہے؟ کیسے جواب کا؟ کس کے جواب کا؟ مجھے بھی جواب کا انتظار ہے!۔ اپنی قسمت سے ایک سوال کیا ہے ــــ اس کے جواب کی منتظر ہوں۔ آسمان کو تک رہی ہوں، صبر کرو، انتظار کرو!

اٹھائیسواں خط

فیصلہ کر لیا! اس جنت کا دروازہ بند کر لو جہاں تم مجھے لے جانا چاہتے تھے، وہ جنت میرے لئے نہیں ہے! میرا فیصلہ آخری ہے! جاؤ، میری زندگی کی حدود سے باہر نکل جاؤ ــــ اتنی دور کہ میرا ایک نقش قدم بھی نہ پا سکو! چیختا رونا چاہو، رو لو، سر پٹکنا چاہو، سر پٹک لو ــــ مرجانا چاہو، مرجاؤ! ہر حال میں جو کچھ گزر چکا اس کو بھول جاؤ! کسی زمانے میں میرا غم نصیب دل بہت روشن اور بہت زندہ تھا! ــــ اس گھر میں نور ہی نور تھا! محبت کا نور، ظلمت نام کو نہ تھی! ــــ غم اور گناہ کی ظلمت! پھر ایک بے وفا نے اس گھر کو اس طرح برباد کیا کہ اس کی دیواریں تک مسمار کر ڈالیں، وہ اس گھر کی خاک اڑا کر ہنستا کھیلتا اپنے راستے چلا گیا، مرد اسی طرح آباد گھروں کو برباد کر کے گزر جایا کرتے ہیں ــــ بھول جایا کرتے ہیں!! مگر عورتیں یاد رکھتی ہیں ــــ اور کبھی کبھی انتقام کی آرزو میں ساری عمر گزار دیتی ہیں!

عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں:

۱۔ وہ جو اپنے آپ کو بلا شرط ہبہ کر دیتی ہیں! مرد ایسی عورتوں کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے۔
۲۔ وہ جو عاریتہً اپنا جسم مرد کو دیتی ہیں۔ مرد ان سے سرِ راہ تھوڑی سی دلچسپی لیتا ہے اور بھول جاتا ہے
۳۔ اور وہ جو مرد کے دماغ کا گودا نکال کر پھینک دیتی ہیں، ٹھکراتی ہیں۔

ــــ ان عورتوں پر مرد مرتا ہے۔ میں نے عصمت فروشی کے مکتب میں اس فن کے بہت سے راز سیکھے، مگر جب کبھی چاہنے والے کے دماغ کا گودا نکالنے کا وقت آتا ہے، میرے دل کے کسی گوشے میں رحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ــــ یہ میرے دل کا کمزور گوشہ ہے ــــ اور میں اس گنہگار کو بخش دیتی ہوں ــــ یہی میری کمزوری اور بزدلی ہے اور یہی عمل میرے مذہب میں کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے چاہنے والوں کے قافلے آتے ہیں، ایک رات کارواں سرائے میں ٹھہرتے ہیں اور گزر جاتے ہیں! میں اسی حال میں خوش ہوں، خوش ہوں کہ مجھے کوئی یاد نہیں رکھتا ــــ خوش ہوں کہ مجھے سب بھول جاتے ہیں، تم بھی اسی طرح ــــ کسی طرح ــــ جس طرح ہو سکے، مجھے بھول جاؤ!

اس اجڑے گھر کی دیواریں جو میرا دل ہے میں نے آخری تباہی کے بعد از سرِ نو بنائی ہیں، اور اس دفعہ اس گھر کے تمام دروازے اور روشندان بند کر دیے ہیں تاکہ باہر کی ہوا اور روشنی کسی طرح اندر نہ داخل ہو سکے لیکن ــــ میرے اس گھر کی تاریکی میں کہیں سے ایک شعاع داخل ہو رہی ہے! الٰہی! یہ کیا غضب ہو رہا ہے ــــ کیا دیوار کی کوئی اینٹ یا پتھر کا کوئی ٹکڑا اپنی جگہ سے ہل گیا ہے، شاید دیواروں کی چنائی میں کوئی خلا پیدا ہو گیا ہے جو باہر کی روشنی کو اندر آنے کا راستہ دے رہا ہے رب میرے! کیا ہو گا اگر پھر اس گھر کے روشندان کھل گئے؟ کیا ہو گا اگر پھر اس راکھ کے ڈھیر میں کسی چنگاری نے گھر کر لیا؟ کیا پھر ایک دفعہ مجھے اپنے تمام اسلحہ جسم سے الگ کرنے ہوں گے؟ میرا زرہ بکتر پھر میرے جسم سے اتار لیا جائے گا؟ میری تلوار میری کمر سے کھول لی جائے گی؟ مجھے پھر بے دست و پا کر دیا جائے گا؟ میں پھر کسی کے رحم پر چھوڑ دی جاؤں گی؟ میں پھر محبت کی عریانی کو چھپانے کے لئے ایک بے دنا مرد سے لباس مانگوں گی! میرے دل میں گناہ کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور محبت کی زنجیریں میرے جسم کو میرے وجود معنوی کو باندھ کر ڈال دیں گی؟ الٰہی کیا ہو گا! کیا ہونے والا ہے میں لرز رہی ہوں میں کانپ رہی ہوں، میرا دماغ چکرا رہا ہے! ــــ ایک طوفانی سمندر کے کنارے کھڑی ہوں! ــــ موجیں بڑھتی آتی ہیں! ــــ کیا پھر میری کشتی کسی ملاح کی محتاج ہو گی؟ ــــ رب العالمین! ایسا نہ ہو! ــــ مر جاؤں گی! ختم ہو جاؤں گی! ــــ گناہوں کی شہنشاہیت پر محبت کی بے بسی کو ترجیح! ــــ نہیں ہو سکتی ــــ نہیں ہونی چاہیے ــــ نہیں ہو گی! میں بھاگ جاؤں گی! میں ڈوب جاؤں گی، میں مر جاؤں گی! ــــ محبت کے دیوتا! تیرا تیر میرے سینے تک پہنچنے نہ پائے گا! گناہ کی گہری نیند سے جگائی جا رہی ہوں ــــ میں نہیں جاگنا چاہتی۔ وہ نیند میرے لئے موت کی نیند ہونا چاہیے ــــ زندگی میں نہیں چاہتی ــــ نہیں چاہتی! کیوں مجھے پھر زندہ کیا جا رہا ہے ــــ کیا اس کے سوا میرے گناہوں کی کوئی اور سزا تجویز نہیں ہو سکتی؟

"تو بھاگتی ہے! تو گرفتار کی جائے گی، تو مردوں کی نیند سونا چاہتی ہے تو جگائی جائے گی!"

کوئی میرے کان میں بار بار کہے جاتا ہے اور میں چیختی ہوں ــــ "بھاگ جاؤں گی، ہاتھ نہ آؤں گی، مر جاؤں گی، مجھے جگاؤ مت گناہ کی نیند میں موت کے خواب دیکھنے دو! محبت کے زہر کا مزا اب تک زبان پر باقی ہے ــــ کیا وہی زہر پھر پلاؤ گے؟ نہیں پیوں گی! نہیں پیوں گی:" ــــ

گناہ کی نیند میری راحت کا تنہا وسیلہ ہے، گناہ اور بے شرمی کو بھول کر گناہ اور بے شرمی کا ارتکاب کرتی ہوں، پتھر کی طرح سخت، سرد اور بے حس ہو کر نہ کچھ دیکھتی، نہ کچھ سنتی ہوں، خدا کے لئے مجھے جگاؤ نہیں ــــ سونے دو، میری خواب گاہ میں آہستہ قدم اٹھاؤ، میں جاگ اٹھی تو مر جاؤں گی!

میری عمر کا سب سے بڑا حصہ آہوں اور آنسوؤں کا ایک مجموعہ ہے اب کہیں چند ساعت کے لئے ان آہوں اور آنسوؤں کے کرب کو بھول کر گناہوں کے تہقہوں میں مست اور بے خبر ہوں، مجھے مست اور بے خبر رہنے دو۔ اس مستی اور بے خبری کو اس زہر سے تلخ نہ کرو ــــ جو عورت کے دل میں زہر بن کر سرایت کرتا ہے!

میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ ہم تم ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں! میں تمہاری دنیا سے دور اپنے آپ کو مفقود الخبر کر لوں اور تم میری دنیا سے دور، اپنی دنیا میں جو کچھ گزر چکا ہے اس کو بھول جاؤ! وہ نہ کر سکی جو کرنا چاہتی تھی، بزدل ہوں، ہمت نہیں، اختیار نہیں ــــ ہو سکتا تو جان دے کر اس قضیہ کا خاتمہ کر دیتی۔ یہ بھی نہ کر سکی، اب بھاگتی ہوں! ــــ

انتیسواں خط

میرے دل کا عجب حال ہے، تم نے میرے قلعہ کی دیواروں میں رخنے پیدا کرنے کی کوشش کی میں مقابلے پر آمادہ ہوئی ـــــ مدافعت کرتی رہی، گر گر کر سنبھلتی رہی، بچتی رہی، جس گھر کے دروازے میں ہمیشہ کے لیے بند کر چکی تم اس میں داخل ہونے کی کیوں جرأت کرتے ہو ـــــ! اپنے تعشق کے آسمان پر جس ستارہ کو تم تک رہے ہو، وہ اب غروب ہوتا ہے، غائب ہوتا ہے۔ پھر کبھی تم اس کو آسمان پر یا زمین پر نہ پاؤ گے! ـــــ نہ پاسکو گے چاہے چلاتے چلاتے اور روتے روتے مر بھی جاؤ۔ بدنصیب عورت کا آخری ہتھیار ابھی میرے پاس باقی ہے، میں بھاگ جاؤں گی، میں بھاگ رہی ہوں ـــــ شکست کھا کر بھاگ رہی ہوں!

جب کل تم یہ سطریں پڑھ رہے ہوگے تو میں تمہاری عشق کی دنیا سے گزر کر کہیں دور ـــــ بہت دور ـــــ لاپتہ ہو چکی ہوں گی۔ ڈھونڈتے پھرو گے اور نہ پاؤ گے! ٹھہر نہیں سکتی، اپنی کھیتی کے سرسبز ہونے کا انتظار نہیں کر سکتی، خون کے آنسو روتی ہوں اور گزری چلی جاتی ہوں! ـــــ میں اپنی کھیتی کو سرسبز دیکھ ہی نہیں چاہتی، پریشان ہوا کی طرح اڑی چلی جاتی ہوں! ـــــ خبر نہیں کدھر! ـــــ اور اپنے راستہ پر دل کے تمام ارمان نکال کر پھینکتی چلی جاتی ہوں، یہ تخم اگر کبھی سرسبز ہوں گے تو اس وقت تک میری زندگی ختم ہو چکی ہوگی! ـــــ آنے والی نسلوں کے لئے اپنے آنسوؤں سے اس تخم کی بہت آبیاری کر چکی ہوں، میں نہ ہوں گی! مگر میری لاکھوں بہنیں میری کھیتی سے کچھ نہ کچھ حاصل کریں گی ـــــ میری تمہاری عشق و عاشقی ہو چکی، میرے اور تمہارے آنسوؤں کا ہر قطرہ آئندہ آنے والوں کے نئے زندگی کی ایک ضمانت ہے! ـــــ یہی یاد رکھو! ـــــ باقی سب بھول جاؤ، بھول جاؤ! ـــــ خدا حافظ!

تیسواں خط

بیچارگی اور بیکسی کی گھڑیاں بہت طویل ہوتی ہیں، میرے لئے بھی طویل ہوئیں۔ اگر گناہ کے ہنگاموں میں اپنے دل کی کلفتوں کو بھول نہ جایا کرتی! پورا ایک سال تو نہ ہوا ہوگا جب میں تمہارے دست طلب سے بچ کر بھاگی تھی۔ اس عرصہ میں عمر کی صدیاں اس طرح گزر گئیں جیسے تمہارے لئے وصل کی ایک شب! ہر دن اور ہر مہینہ ایک لمحہ اور ایک ساعت کے برابر تھا۔ گذشتہ سال کی طغیانی کے بعد جب دریا اترا تو اس کے کناروں پر کیچڑ اور متعفن کوڑا، سڑی ہوئی لاشیں جو باقی رہ گئی تھیں، ان کی گندگی میں میں نے یہ پورا سال گزار دیا! بھاگ جانے کا آخری فیصلہ میرے لئے پہاڑ کی چڑھائی تھا ـــــ مشکل سے چڑھ سکی، مگر چڑھ گئی! ـــــ تم کھینچتے ہی رہے اور کتے ہی رہے لیکن وہ ایک شدید ہیجان اور اضطراب کا عالم تھا کہ میں تم سے اپنا دامن چھڑا کر بھاگی۔ اور پہاڑ پر چڑھتی چلی گئی تا آنکہ اس کی چوٹی پر پہنچ کر دم لیا، اس وقت یک گونہ اطمینان ہوا کہ تم دور رہ گئے، میں ہاتھ نہ آؤں گی۔ مگر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ دوسری طرف کا اتار اس چڑھائی سے بھی کچھ زیادہ مشکل ہے چڑھائی میں تمام قوت صرف کر دینے کے بعد اتار کے وقت ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں رہتے اور چڑھنے والا چوٹی پر پہنچ کر جو بے اختیار پھسلتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے! باوجود تمہاری مزاحمت کے میں نے پہاڑ کی چڑھائی طے کر لی، مگر یہ کیا خبر تھی کہ پہاڑ کے دوسری طرف میری قسمت بہا لے جائے گی، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ گذشتہ بارہ مہینوں میں میں نے اپنے وجود کو خالی کر کے پہلے سے زیادہ وارفتگی کے ساتھ عصمت فروشی کے دوزخ میں جھونک دیا، میں تم سے کیا کہوں کہ کس طرح میں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ـــــ گذشتہ ایک سال میں ـــــ گناہ سے خالی نہیں چھوڑا، عصمت فروشی، حسن فروشی، دنیا والوں کی اصطلاح میں جو چاہے کہو کے ہجوم اور ہنگامے میں میں نے سب کچھ بھلا دیا، کچھ بھی یاد نہ رہا۔ تم نہ تم بھلانے، اور بھول جانے کی ایک حد تک کامیاب کوشش کی۔

اترے ہوئے دریا کے کیچڑ میں میں کھیلنے لگی، گندگی کا احساس اگر کچھ باقی تھا تو اس کو بھی میں نے اپنے دل سے مٹا دینا چاہا۔ میری زندگی کا ہر لمحہ نئے عشاق کی تلاش میں گزرنے لگا اور ہر شب میں نے عہد کر لیا کہ میرا بستر خالی نہ رہے گا۔ کم و بیش ۳۶۵ دن اور ۳۶۵ راتیں میں اس طرح گزار چکی! اپنے خیال میں میں نے ازدواجی زندگی کے تمام امکانات کا خاتمہ کر لیا! اب تو میرا وجود معنوی بھی اس قدر گندہ ہو گیا ہے اور میرا ظاہری حسن بھی اس قدر پھیکا پڑ گیا ہے کہ تم ایک دفعہ دیکھ کر منہ پھیر لو گے! میری روح کا تعفن میرے جسم کے ہر رونگٹے سے نکل رہا ہے، پہلے شاید میرے لباس زندگی کے چند ٹکڑے دھبوں سے بچے ہوئے تھے، مگر میں نے وہ لباس بھی اب پھاڑ کر پھینک دیا! ـــــ عریاں ہوں، شیطان کی طرح عریاں! ـــــ جب تک محض پانی گندہ تھا اور اس قدر متعفن نہ تھا، تم اپنے ہی اس کو آب حیات سمجھتے رہے، اب صرف کیچڑ باقی ہے، وہ بھی نہایت متعفن، اب تو مجھے یقین ہے کہ تم قریب آنا بھی گوارا نہ کرو گے!

معلوم نہیں تم کو کس طرح میرا پتہ معلوم ہوا! بہر حال تمہارے خط کے آنے سے میں خوف زدہ نہیں ہوتی۔ اب تو وہ عالم ہے کہ جب چاہو مجھے آ کر دیکھ لو، لیکن اب وہ لیلیٰ ہی نہیں جس کو تم پیام محبت دیتے تھے، اپنے حسن کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لٹا دیا ہے، میرا چہرہ اب بے نور اور میری روح اب تاریک ہے، میرے عارض کی چمک جو تھی وہ پوڈر اور غازہ کی مرہون منت ہے گویا چہرہ پر ایک خول چڑھا ہوا ہے۔ صبح کو میری صورت دیکھو تو چڑیل نظر آتی ہوں، شام کو میری بہار دیکھنا چاہو تو تھیٹر کی لال پری معلوم ہوتی ہوں، حسن کا سرمایہ ختم کر چکی ـــــ دیوالیہ ہوں اس کشش اور جاذبیت کو ـــــ جس نے تمہیں دیوانہ بنایا تھا ـــــ مٹا کر میں نے اپنی زندگی کو اب اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ شاید تم دیکھ کر پہچان نہ سکو گے، پھر میں تمہارے آنے اور ملنے سے کیوں گھبراؤں! ـــــ گھر کا سارا اثاثہ لٹ چکی اب چوروں کا کیا ڈر ہے۔ ع

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتی ہوں رہزن کو

بہتر یہ تھا کہ تم اپنا وقت اب ضائع نہ کرتے اور مجھ تک آنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے! ـــــ مگر آنا چاہتے ہو تو آؤ، جتنی راتیں تم چاہو گے، میرے بستر پر بسر کر سکو گے، اپنے دل کو آسودہ کر کے چلے جانا اور مجھ سے آسودہ ہونے کے بعد بھی اگر تمہارا دل کوئی نیا مشغلہ ڈھونڈے تو یہاں میری ہم پیشہ اور بھی بہت ہیں جن سے تمہارے نفس کی تواضع کر سکتی ہوں! میرے ساتھ تمہاری عشق و عاشقی یقینی ہے کہ پہلے ہی دن مجھے دیکھنے کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اب جو میں نے اپنی حالت بنا لی ہے وہ تمہارے عشق کا اچھا علاج ہے! میں نے اپنی اس لغزش کا خوب علاج کر لیا ہے جو نہ جانے کیونکر تمہارے نکاح کے پیام کے بعد پیدا ہو گئی تھی، اس زمانہ کو اب تک اس طرح یاد کرتی ہوں جس طرح ملیریا کے موسم میں جاڑے بخار کو صحت ہو جانے کے بعد! آؤ! اب تمہارے جنون کا بھی علاج کر دوں! میری زندگی کا وہ سمندر جس میں تم اپنی کشتی لے کر آ گئے تھے اور جس کے پانی کو تمہارے پتواروں نے متلاطم کر دیا تھا اب محض ایک چہ بچہ ہو کر رہ گیا ہے! اس میں پانی ہی نہیں جس کو تم متحرک کر سکو! عورت کی کمزوری جس کی ایک جھلک تم نے دیکھی تھی، وہ سب فنا ہو چکی! میں تم سے اور تمہارے عشق کی شورش سے ڈر کر بھاگی تھی اور کچھ عرصہ تک بہت ڈرتی رہی ـــــ یہاں آنے کے بعد بھی کبھی کبھی تنہائی کے لمحوں میں میرے اندر کوئی دوسرا وجود مجھے دھمکایا کرتا تھا۔

"لیلیٰ! بچنا مشکل ہے! تیرے دل میں چنگاری ہنوز موجود ہے، تو محبت کے پھندے میں پھنس گئی ہے، تیرے دل کی پرانی قبر میں مردہ پھر کروٹیں لے رہا ہے، اب کیا کرے گی! کہاں بھاگ کر جائے گی؟ ـــــ آخر تیرے حسن کو عشق کی بارگاہ میں ہتھیار کھولنے پڑیں گے!"

پھر میرا شیطان میری مدد کرتا تھا، وہ کہتا تھا:

"گھبرانے کی کیا بات ہے! لیلیٰ تو ڈرتی ہے ـــــ تو؟ جس نے سیکڑوں موذیوں کو جنگل میں مسل ڈالا، محبت ایک دھوکہ ہے، محبت ایک فریب ہے! بھول کر بھی اس کا خیال نہ کیجیو،

تجھے مردوں سے ان مظالم کا بدلہ لینا ہے، جو تجھ پر کئے گئے ہیں! ایک سانپ نے تجھے کاٹا، اب تو، سانپوں کی تمام نسل کو تباہ کر دے، ختم کر دے تو ظالموں کی زندگیوں کو تباہ کئے جا، مٹائے جا! ان کے وجود ظاہری و باطنی میں زہر ملائے جا، ایسا زہر قاتل ملائے جا کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی ہمیشہ تلخ کام رہیں! خبردار گھبرانا نہیں تیرے ڈنک میں کافی زہر ہے، شیروں کے پنجے اور بھیڑیوں کے دانت توڑ دے —— فتح تیری ہے!"

میرا شیطان جس قدر باتیں کرتا ہے، سچ کہتا ہے، جو راستہ مجھے بتاتا ہے۔ صحیح بتاتا ہے، عشق و محبت سے زیادہ شیریں انتقام کا جذبہ ہے میرا شیطان انتقام کا دیوتا ہے وہ میرا ہمدم و دمساز ہے! —— خلوت میں میرا اسہارا اور محفل میں میرا محافظ ہے!

چند ہی روز میں میں نے اپنے کو تمہارے عشق و عاشقی کے مقابلے میں پہلے سے بہت زیادہ محفوظ کر لیا ہے۔ آؤ؟ اگر آنا چاہتے ہو! عشق کا کھوٹا سکہ میری دکان پر نہیں چلتا، سونا چاندی جس قدر اپنی جیبوں میں بھر کر لاسکو لیتے آنا۔ آؤ تو اس طرح آؤ جس طرح اہل دولت بازار کو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ آؤ جس طرح سڑک پر لڑکے کٹی ہوئی پتنگ کے پیچھے بھاگتے ہیں، منہ اٹھائے آسمان پر آنکھیں جمائے ہاتھ میں بانس کا ایک ٹکڑا لئے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں، خبر نہیں ہوتی کہ سامنے خندق ہے، کنواں ہے، دیوار ہے، یوں آنے سے کیا فائدہ؟ اپنے نفس کو اپنا رہنما بناؤ، وہ تمہارا خدا ہے —— میرے بستر کی آرائشوں کے مالک بنو، میرے پوڈر سے ڈھکے ہوئے رخساروں سے اپنے ہونٹ سفید کر لو، میرے عطر میں بسے ہوئے جسم سے اپنا لباس معطر کر لو، میری بنائی ہوئی پلکوں اور آنکھوں کے ڈوروں کی شان میں قصیدے پڑھو، ایک شب، دو شب، ہزار شب، جتنا روپیہ صرف کر سکو، میرے مہمان رہو، پھر جب تھک جاؤ تو گھر جاکر کسی شریف خاندان میں کسی نیک بخت لڑکی کو اپنی شریک زندگی بنا لو —— اور سیدھے حج کرنے چلے جاؤ —— پھر تم سے زیادہ سچا مسلمان اور تم سے زیادہ نیک نہاد "شریف" کون ہو سکے گا۔

جب آؤ تو مجھے خط لکھ دینا تاکہ تمہارے لئے اپنی چند راتیں محفوظ رکھوں! ——

اکتیسواں خط

یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنا پورا خط اردو کے کسی رسالے سے نقل کیا ہے۔ یہ اردو کے رسالے بھی عشق کے بہت مقوی معجون فروخت کرتے ہیں۔

آتش فشاں پہاڑ، آتش فشانی کے بعد کس قدر سرد اور مردہ ہو جاتا ہے گویا کبھی اس کے دہانے سے آگ کے شعلے اور دھواں نکلا ہی نہ تھا! جو کچھ غلطی مجھ سے ہوئی تھی اس کے بعد میں کچھ ایسی سرد پڑ گئی ہوں کہ اب تمہارے عاشقانہ مکاتیب میرے اندر کوئی گرمی نہیں پیدا کرتے! الفاظ کی لذت سے محروم ہوں، خدا کرے تم بھی محروم ہو جاؤ! یہ بہت بڑا مرض ہے جس کو "ادبیت" کہتے ہیں۔ بیکاری کا یہ مشغلہ عذاب جان ہوتا ہے، تصور کی دنیا معشوقوں اور محبوبوں سے بھر دی جاتی ہے اور پھر قلم، کاغذ، روشنائی کا وہ اسراف بیجا کہ —— معاذ اللہ! اور یہ مرض متعدی ہے، لکھنے والا خود مبتلا ہوتا ہے اور پڑھنے والوں کو بھی مبتلا کرتا ہے، جس کسی کو بھی روز وقت پیٹ بھر کر روٹی ملے۔ اور اطمینان کے چند لمحے میسر ہوں، وہ اردو رسائل کی اشاعتوں میں "علامہ فصیح"، "بلبل الملک"، "ادیب العصر"، "نصیح العصر"، "ادیب شہیر"، "مصور فطرت"، "مصور غم" اور "ناخدائے سخن" کے "ارشادات"، "مقالات"، "تلاطمات"، "رشحات"، "زمرودات"، "حسیات"، "جذبات"، "تجلیات"، "روحانیات"، "جرعات"، "اشارات"، "موج ذوق نظر"، "فکر لطیف"، "فسانۂ اشک"، "فلسفۂ شباب"، "نغمۂ محبت"، "اعجاز رقم" پڑھ پڑھ کر سر دھنا کرے۔ یہ "شاہکار" بنجر زمین میں بھی تخم الفت اگا دیتے ہیں "فسانۂ اشک" اور "فلسفۂ شباب" کے پڑھنے والے جوان ہو کر ماشاء اللہ سو فیصدی عاشق بن جاتے ہیں وہ تکیہ پر سر رکھ کر خیالات کی دنیا میں حسن و عشق کی تمام تصویریں کھینچ لیتے ہیں، پھر ان کو زندہ حسن کے مینائے لبریز سے ایک جام پینے کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ خواہش بڑھتی ہے اور ہر دفعہ بار بار کا جب ایک پھیرا کرتے ہیں تو وہ خواہش قوی تر ہوتی جاتی ہے۔ بڑھتے بڑھتے ایک جنون بے اختیار پیدا ہوتا ہے، اس جنون کی آندھی میں لیلیٰ کے عشاق اڑتے ہوئے آتے ہیں، اور لیلیٰ کے بالاخانے پر درخت کے سوکھے ہوئے پتوں کی طرح گرتے ہیں! یہ کیا بات ہے کہ مرد عموماً اپنی بیوی کو جذبات عاشقانہ کا مرکز نہیں بنا سکتا! ان جذبات کا رخ اکثر باہر کی عورت کی طرف ہوتا ہے تا خدائے سخن "الله" ادیب العصر جب مضمون لکھنے بیٹھتا ہے تو عموماً ہمارے ہی بالاخانوں سے اپنے قلم اعجاز رقم کے لئے روشنائی لاتا ہے! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ "نکاح" "جذبات شاعرانہ" کا قاتل ہے، "نکاح" کے بعد وہ کیف باقی نہیں رہتا، مرد اور عورت کے درمیان تعلقات کی شعریت باقی نہیں رہتی، شاید چوری کا گڑ اسی لئے زیادہ میٹھا ہوتا ہے کہ اس کا کھانا ممنوع ہے۔ ممانعت شوق طلب کی معاون اور جواز اس کا دشمن!

ہماری ادبیات میں "احسن الکلام" وہ ہے جس کا مخاطب پارک میں ٹہلتا ہوا، اسٹیج پر ناچتا ہوا یا بازار میں جلوہ فگن کوئی "سرو بالا" ہو۔ مرد کی ہوسناکی کا یہ بہت بڑا راز ہے کہ جب تک وہ عورت کو حاصل نہ کر لے، مانگتا رہتا ہے اور جب حاصل کر لے تو اس کا ذوق طلب بہت سست اور اکثر فنا ہو جاتا ہے۔ ایک منزل پر پہنچ کر پھر وہ جب تک دوسری منزل کا تخیل پیدا نہ کر لے، جذبات اس کے اندر سوتے رہتے ہیں اور "جرعات" "تجلیات" "جذبات" میں بروئے کار نہیں آتے، یہ "شاہکار" لکھنے والے اپنے تخیل میں جو "تصویر لطیف" پیدا کرتے ہیں وہ درحقیقت مجھ ایسی کسی لیلیٰ کے عارض انور کا ایک عکس ہوتا ہے، —— کبھی مجھ سے دس بالشت کی دوشیزہ کا اور کبھی میری سطح سے بھی نیچے کسی عشوہ فروش کا اور گھر کے میلے کپڑوں کھسٹے بالوں والی ماں کا اس دنیائے تخیل میں بہت کم حصہ ہوتا ہے، ہوتا ہی نہیں بیوی معشوق نہیں بن سکتی! —— ممکن ہے وہ کسی حد تک محبوب ہو مگر اس کے رخسار کے پرتو سے شاہکار نمو نہیں پاتے! "ادب لطیف" پیدا نہیں ہوتا تم تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان کہے جاتے ہو، ذرا انصاف سے کہو میں غلط کہہ رہی ہوں، تمہارے وجود کی "شعریت" کا دامن، احباب کی محفل عیش، رسائل کے "ادب لطیف" اور بازاروں کی رونق کے ساتھ بندھا ہوتا ہے —— گھر کی چار دیواری میں اس کا نشان بھی نہیں ملتا، یہ جو "علامہ فصیح" اپنے بے مثل زور قلم سے دنیا کے ذوق ادب کو نوازتے ہیں، ان کے تخیل کو ہمارے ہی رخسار جلا بخشتے ہیں ان کی شاعرانہ زندگی کی ضامن ہماری ہی نرگس بیمار ہے ——

ہمارا ہی پیام ان کے "رشحات قلم" کے ذریعے سے حسن پرست دنیا کو دیا جاتا ہے۔ ان عصمت فروشوں کی خاموش دعوت جو سر شام بجلی کے قمقمے اپنے چہرہ کے سامنے روشن کر کے اپنے حسن کو مشتہر کرتی ہیں۔ "ادیب العصر" کے سحر کار قلم میں ایک پر شور نوائے عشق بن جاتی ہے، ہم تو کبھی آنکھ کے اشارے کبھی ابرو کی ایک خفیف حرکت سے، کبھی زیر لب سے اپنی محفل آباد کر لیتے ہیں، مگر تمہارا یہ "ترجمان حقیقت" ایک عاشق غوغائی ہوتا ہے جو گویا دونوں ہاتھ گھما گھما کر اپنا سینہ کوٹ کوٹ کر چیختا ہے اور بلاتا ہے "نوجوانو! چلو عشق کا بازار کھلا ہے! حسن کی دکان لگی ہوئی ہے!"

میں بدگمانی نہیں کرتی، مگر ان شاہکار کے لکھنے والوں میں کتنے ایسے ہیں جنہوں نے ہماری محفلوں کی "رقت قلب" حاصل نہ کی ہو، مجھے کچھ شکایت نہیں، میں تو خوش ہوں کہ عشق کے جراثیم ان شاہکاروں کی پچکاریوں کے ذریعے سے ہر طرف پھیلائے جاتے ہیں اور اس طرح خود مرد ہم کو ہمارے انتقام میں مدد دیتے ہیں۔ مزا بھی انتقام کا جب ہی ہے کہ تمہاری ہی کمر سے تلوار کھول کر تمہاری گردنیں کاٹی جائیں! تمہارے ہی دانت توڑ کر تمہارے جسم میں پیوست کئے جائیں، تمہارے ہی ڈنک کا زہر تمہارے خون میں پہنچایا جائے! —— لکھو! جس قدر "شاہکار" لکھ سکو، لکھے جاؤ!

بتیسواں خط

مبارک ہو! آپ پھر وادیٔ عشق میں تشریف لے آئے، پھر میری راہ کے کانٹے آپ کے پاؤں کا

انتظار کر رہے ہیں، پھر کچھ عرصہ عاشقانہ مکتوب نویسی کا اچھا شغل رہے گا! میں نے تو آپ کو منع نہیں کیا! آیئے، جب آپ کا جی چاہے؛ غریب خانہ معہ اہلِ خانہ کے حاضر ہے! نکاح کے پیام کے سوا آپ عشق و الفت کا جو پیام بھی لے کر آئیں میرے سر آنکھوں پر ——— میرے بوسے آپ کے سفر کی تکان دور کریں گے!

تینتیسواں خط

آج سے کم و بیش ایک سال پہلے میں نے تم کو ایک آخری خط لکھا تھا ——— آخری سمجھ کر لکھا تھا ——— مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخری نہ تھا ——— ابھی بہت سے خطوط لکھے جائیں گے، اس خط کے لکھنے کے چند ہی ساعت بعد میں تمہارے شہر سے رخصت ہو گئی تھی۔ پھیری والے سوداگر کی طرح جو صبح کو سڑک کے کنارے ایک رومال بچھا کر اپنی دکان لگاتا ہے اور شام کو اسی رومال میں اپنی دکان کا سارا سامان باندھ کر روانہ ہو جاتا ہے، میں تمہارے شہر سے اپنی دکان اٹھا کر نئے شہر میں لائی! اس لئے کہ تم میری ساری دکان لوٹنے کی فکر میں تھے! بھاگی کہ تمہارے اور میرے درمیان جس قدر فاصلہ زیادہ ہو گا میں اپنی شکست کو بھول جاؤں گی اور تم اپنے عشق کو، وہ وقت جب میں بھاگی ہوں ایسا تھا کہ میرے ساز کے تاروں پر مضراب رکھی ہوئی تھی، اور ایک آخری نغمہ میرے تاروں سے نکلا ہی چاہتا تھا۔ اس سے پہلے کہ مضراب حرکت کر سکے میں اپنا ساز بغل میں دبا کر بھاگی اپنے اس بھاگنے پر ہنسی بھی آتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں پھر کسی دن وہ میری شکست دہرائی نہ جائے! ——— یہاں سے بھی بھاگنا نہ پڑے۔ مگر اب میرے قلعہ کے استحکامات زیادہ مضبوط ہیں میرا ساز مضراب سے بہت دور ہے تم مجھے ڈھونڈتے ہوئے آئے ہو . . . . . تو اگر پرسوں شب جب تم میرے مہمان رہے تو تم نے دیکھ لیا ہو گا اس ساز کے تار رس کی راگنی کس قدر بدل گئی ہے اس ویرانہ میں تم نے ایک دلدار بھی سامنے پائی ہو گی ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ یہ سب کچھ دیکھ کر تم مجھ سے رخصت ہو جاتے، لیکن اگر پھر بھی تم چند روز میرے پاس گزارنا چاہتے ہو تو مجھے عذر نہیں میری طرف سے "التفاتِ معشوقانہ" کے علاوہ کچھ پرانا فلسفہ بھی سننا پڑے گا! ——— اگر تم اپنا وقت ضائع ہی کرنا چاہتے ہو تو میں کیونکر تم کو روک سکتی ہوں؟

"جب سے یہاں آئی ہوں، نکاح کے چند پیام آ چکے ہیں، میں سب امیدواروں کو ایک ہی جواب دیتی ہوں"۔

"میرا جوڑا ازل میں پیدا ہی نہیں کیا گیا"

مگر میرا یہ جواب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مرد اپنے فلسفۂ نفس کے مقابلے میں کسی دوسرے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتا! اس کے وجود معنوی میں درحقیقت تین مختلف وجود مستور ہوتے ہیں، ایک ہی لفافہ میں تین تصویریں ہوتی ہیں۔

۱۔ اصلی یعنی درحقیقت جیسی اس کی فطرت ہے۔

۲۔ جیسا وہ سمجھتا ہے کہ وہ ہے۔

۳۔ جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کو سمجھیں۔

پہلی تصویر تو ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے، دوسری تصویر کی جھلک مرد کے اعمال و افعال میں کبھی کبھی نظر آ جاتی ہے، اور تیسری ہمیشہ نظروں کے سامنے رہتی ہے، تمہاری پہلی تصویر میں نے اب تک نہیں دیکھی ——— کچھ دھندلا سا گمان ہے کہ شاید ایسی ہو گی! البتہ دوسری اور تیسری تصویر خوب دیکھ چکی ہوں، اپنے کو تم جیسا سمجھتے ہو خوب جانتی ہوں اور جیسا چاہتے ہو کہ دنیا سمجھے اس سے بھی خوب واقف ہوں، اپنے عشق کی وارفتگی میں تم یہ دونوں تصویریں لفافہ کے باہر نکال چکے ہو، تمہاری بیوی بن کر بھی اس سے زیادہ میں کچھ دیر دیکھ سکوں گی! محبت کی کسوٹی پر ہی مرد کی حقیقت بشکل واضح ہوتی ہے اگر عورت بدنصیب اگر مبتلا ہو جائے تو اس کا وجود معنوی بآسانی بے نقاب ہو جاتا ہے، میں مانتی ہوں کہ مرد کی طرح عورتیں بھی اکثر حقیقت کو مستور رکھ سکتی ہیں اور رکھتی ہیں، بلکہ عام حالات میں مرد سے زیادہ اس رازداری پر قادر ہوتی ہیں لیکن مرد عورت سے اس لئے بازی لے جاتا ہے کہ وہ عشق کے ہجوم میں بھی اپنا راز محفوظ رکھ سکتا ہے اور عورت یہ نہیں کر سکتی۔ وہ محبت کی حالت میں اپنے وجود معنوی کے تمام پردے نوچ کر پھینک دیتی ہے، مگر مرد کی حالت یہ ہے کہ وہ جس کو اپنا شریک زندگی بناتا ہے، معشوق بناتا ہے وہ عورت بھی اکثر اس اصلی تصویر کو نہیں دیکھ سکتی جو کبھی لفافہ کے باہر نہیں آتی، تم شاید سمجھتے ہو کہ اتنے عرصہ کی راہ و رسم محبت کے بعد میں تم کو اچھی طرح پہچان گئی ہوں، میں جانتی ہوں کہ میں یہ دعویٰ کروں تو غلط ہو گا! البتہ اس قدر جانتی ہوں کہ فی الحال مجھ سے محبت کرتے ہو، حتیٰ کہ دنیا کے تمام برے بھلے کو گوارا کر کے مجھے اپنا بنا لینا چاہتے ہو مگر یہ محبت کے طوفانی سمندر کی تہ میں کیا ہے اس جنت کے اندر جس کا دروازہ تم میرے لئے کھولنا چاہتے ہو مجھے کیا ملے گا! مجھے معلوم نہیں یہ ایک معمہ ہے! مشکل یہ ہے کہ میں جس قدر تمہاری خوبیوں سے واقف ہوں اسی قدر یہ حقیقت بھی مجھ پر واضح ہے کہ مرد ہر حال میں حتیٰ کہ محبت میں بھی جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، مکر کرتا ہے، اس کی عجیب فطرت ہے وہ سچے دل سے محبت کرتا ہے، اور دھوکہ بھی دیتا ہے۔ اس کی سرشت میں خاک و باد و آب و آتش کے علاوہ ایک عنصر مکر بھی ہے جو اس خاک کے پتلے کی رگ رگ میں موجود ہے! وہ جھوٹ بولتا ہے اور مکر کرتا ہے اس طرح جیسے روٹی کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے جب سچے دل سے محبت کرتا ہے اور قسمیں کھا کھا کر کہتا ہے!

"اے محبوب! میں تجھ بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا" تو وہ خوب جانتا ہے کہ اس کا یہ بیان غلط ہے! وہ ہر شام کو کہے گا کہ میں صبح تک زندہ نہیں رہ سکتا، اور پھر ہر صبح کو بخیر و عافیت اپنے بستر سے اٹھے گا پھر شام کو بغیر شرمائے وہی بات کہے گا، درحقیقت بات یہ ہے کہ مرد جس قدر زیادہ بکتا ہے اسی قدر اس کے بیان میں مبالغہ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ عورت محبت میں بھی بہت کم زبان کھولتی ہے اور اس لئے بہت کم جھوٹ بول سکتی ہے، وہ اتنا بکتی ہی نہیں کہ زیادہ جھوٹ بول سکے، تم شاید کہو گے کہ جذبات کی شدت زبان و قلم کو بے اختیار کر دیتی ہے اور اسی لئے مرد اپنے بیانِ عشق میں مبالغہ کرتا ہے یہ فردِ گزاشت قابل گرفت نہیں، لیکن جذبات کی شدت میں ایک انسان دوسرے انسان کو قتل بھی تو کر دیتا ہے وہ جرم بھی قابل گرفت نہیں! جذبات کا میں بھی احترام کرتی ہوں اور جو لوگ انسان کی زندگی میں جذبات پر معترض ہوتے ہیں میں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں! وہ جانتے ہی نہیں کہ زندگی ہے کیا؟ ——— جذبات کے بغیر لوہے کی مشین اور انسان میں فرق ہی کیا رہا ——— سمندر کیا ہے اگر اس میں موجیں نہ ہوں! ——— آگ کیا ہے جس میں شعلہ نہ ہو! سمندر کی عزت اس کی موجوں سے اور آگ کا وقار اس کے شعلوں سے قائم ہے! خشک فلسفی اور بے مغز حکیم، سمندر کے سوکھے ہوئے جھاگ اور لکڑی کے جلے ہوئے کوئلے ہیں، اگر وہ جذبات سے محروم ہیں، ماں اور باپ جذبات سے خالی ہوں تو اولاد کیونکر پرورش پائے، مرد اور عورت ایک دوسرے کے مشتاق جذبۂ شوق سے عاری ہوں تو یہ آبادی ویرانہ ہو جائے! مگر آگ اور سمندر کی طاقت کا مبالغہ بھی تباہی لاتا ہے طوفان حد سے گزر جائے اور آگ قابو سے باہر ہو جائے تو پھر دنیا میں قیامت آ جاتی ہے، اعتدال سے گزر کر تریاق بھی زہر ہو سکتا ہے۔ تم اپنے جذبات کے ظاہر کرنے میں جو مبالغہ کرتے ہو اس سے میں نے کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔ تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے جذبات کی شدت نے مجھے ایک لمحہ کے لئے متاثر کر دیا تھا! تو اس وہم کو اپنے دل سے نکال دو، عورت، مرد کے جذبات سے دھوکہ تو کھا جاتی ہے مگر فی الحقیقت مرعوب نہیں ہوتی لیکن جب اس کے دل میں بھی کوئی چنگاری روشن ہو جائے تب وہ البتہ آنکھیں بند کر کے دھوکے کھاتی ہے! ——— دھوکے کھاتے کھاتے مر جاتی ہے! محض اپنے ایک طرف جذبات کے مظاہرے سے تم عورت کو فتح نہیں کر سکتے! ——— مرد اور عورت کے اس معاملے میں دنیا کی کسی طاقت کو دخل نہیں ہے، یہ معاملہ حکومت، قانون اور مذہب سے بالاتر، بلند اور آزاد ہے! اگر مرد پر ملکیت اور قبضہ کا جذبہ اس قدر حاوی ہوتا ہے کہ وہ میدان عشق میں بھی قاتحانہ اور حاکمانہ شان سے آتا ہے۔ وہ جب عاشق ہوتا ہے تو اندھا ہوتا ہے ———

اب پھر تم میری زد میں آئے ہو تو یونہی روز میرے لیکچر سننے کے لئے تیار رہنا ——

۳۴ چونتیسواں خط

پچھلے خط میں لکھ چکی ہوں کہ مرد اور عورت کی باہمی محبت حکومت، قانون اور مذہب سے بالکل آزاد ہے۔ اور اب پھر کہتی ہوں کہ وہ آزاد ہے۔ اور ہمیشہ آزاد رہے گی۔ مذہب کے تعصبات اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔ تم کیوں اس بحث میں مذہب کو بے دوڑے؟ مسلمانوں کا مذہب تیرا یا چودہ سو برس پہلے کچھ ہو تو ہو۔ اب تو یہ ایک چھتری ہے جس کو مذہب کا نام لینے والے اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے ہیں! دھوپ اور بارش میں یہ چھتری عمامہ اور قبا کو خراب ہونے سے بچاتی ہے۔ بازار کے کتوں کو ڈرانے کے لئے اس سے عصا کا کام لیا جاتا ہے۔ موسم اچھا ہو اور اس کی ضرورت نہ ہو تو وہ گھر کے کسی کونے میں پڑی رہتی ہے! ہر شخص کو حق نہیں کہ اس کو استعمال کرے۔ مذہب کے ٹھیکیدار ہی صرف اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کی شریعت کے مسائل بھی چھتری کی طرح پھیلتے اور بند ہوتے ہیں۔ ضرورت کے وقت شرعی مسائل کی تاویل و توجیہہ بالکل اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح وکلاء قانون میں بال کی کھال نکالتے ہیں۔ جب شریعت کا کوئی حکم حالات اور خواہشات کے خلاف ہو تو اس کو بھی بدل دیا جا سکتا ہے۔ توڑ مروڑ کر اس کی صورت بھی بگاڑی جا سکتی ہے۔ جب کوئی ذاتی ضرورت پوری کرنی ہو تو کسی نہ کسی طرح کتاب میں کوئی مفید مطلب روایت نکل آتی ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ "یوں بھی لکھا ہے" —— دور کیوں جاؤ اپنی ہی حالت دیکھ لو، آج تم ایک بیسوا کو اپنے گھر میں بیوی بنا کر لانا چاہتے ہو تو خدا اور رسول کے احکام بیان کرتے ہو اور ثابت کرتے ہو کہ میرے لئے نکاح کرنا اور گناہ کی زندگی کا ترک کر دینا کس قدر ضروری اور لازمی ہے مگر کل جب تم میری عصمت فروشی کی دکان پر سودا خریدتے تھے تو زنا کی حرمت کی گویا تم کو خبر ہی نہ تھی! یہ کچھ تمہارا ہی حال نہیں، تمہارے جو بڑے ہیں حضرت، مولانا، شاہ صاحب قبلہ، مفتی صاحب مدظلہ، ان کے ہاتھ میں شریعت کی رسی ربڑ کی طرح بڑھتی، سکڑتی ہے، منہ کے جاگ اور گلے کی پھولی ہوئی رگوں کے ساتھ جب ملعون و مردود کی گرج سے مدرسہ اور مسجد کی محرابیں گونجتی ہیں، جب منبر اور مصلے پر بیٹھ کر خدا کی مخلوق کا فر اور ملحد بنائی جاتی ہے جب دنیا کو "صغیرہ اور کبیرہ" کا ذرا خیال نہیں آتا۔ یہ نہیں کہتی کہ سب کی یہی حالت ہے مگر اس تالاب میں بہت سی مچھلیاں گندی ہیں! بہت سے صغیرہ اور کبیرہ تو ایسے ہیں کہ مذہب کے لباس میں جواز کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، مثلاً جو شخص اپنی نفس پرستی کی خاطر تین تین چار چار بیویاں گھر میں رکھے تو کیا وہ اسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا جس گناہ کے تم میرے گھر آ کر مرتکب ہوتے ہو فرق ہے تو صرف اتنا کہ ازدواج اور نکاح کے پردے میں جو جابرانہ عیاشی کی جاتی ہے اس کا گناہ ایک طرفہ ہوتا ہے، مرد ہی گنہ گار ہوتا ہے اور عورت بے گناہ اور مظلوم ہوتی ہے، تمہاری میری عیاشی ہم دونوں کا مشترکہ گناہ ہے اور حقیقت جیسا کہ بارہا کہہ چکی ہوں، بڑا سوال ذہنیت کا ہے۔ مرد کی زندگی کی بساط پر عورت بیچاری تو ہزاروں مہروں میں سے محض ایک مہرہ ہے، مرد خود اس بساط کا بادشاہ ہے۔ اس پر شہ پڑ سکتی ہے کبھی کبھی زچ بھی کیا جا سکتا ہے مگر قتل نہیں کیا جا سکتا، بساط سے اٹھایا نہیں جا سکتا —— اور سب مہرے اٹھائے جا سکتے ہیں، وہ شاہانہ قوت اور عظمت کے ساتھ عورت کو فتح کرتا ہے، کبھی دولت کے زور سے اور کبھی مذہب کے پردے میں —— اور جہاں اور جب ضرورت ہوتی ہے اپنی شکست کو بھی مذہب کے سہارے سے فتح بنا لیتا ہے!

تو عزیز دوست! —— مذہب کا تو ذکر ہی چھوڑ دو۔ اس کے علاوہ ہر نقطۂ نظر سے اپنے اور میرے تعلقات پر غور کر لو۔ تمہیں سمجھا چکی ہوں اور پھر سمجھاتی ہوں کہ اگر میں تم سے نکاح کرنے پر آمادہ بھی ہو جاؤں تو تمہاری تمدنی اور معاشرتی زندگی کو تباہ کر دوں گی۔ تم شاید ساری دنیا کا میری خاطر مقابلہ کر لو مگر جب مذہب کے دیوتاؤں کی خوفناک آنکھیں دیکھو گے تو دم بخود رہ جاؤ گے! تم لوگوں کے دلوں میں بچپن سے اس طرح مذہب کا خوف —— خوف محبت نہیں —— پیدا کر دیا جاتا ہے، کہ ہماری شخصیت اور قوت ارادی بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی ہر سانس کو مذہب کی ترازو میں تولتے ہیں اور ہر قدم پر ایک دیوتا کو سجدے کرتے ہیں، یوں ہی عمر گزر جاتی ہے۔ زندگی کی فروعات بھی مذہب کے اندر داخل کر لی گئیں تاکہ ہمارے ارادے اور فہم کی گردن میں ایسا پھندا پڑا رہے کہ ہم فرعون کے غلاموں کی طرح عمر بھر پتھر ڈھوتے رہیں اور کوڑوں سے پٹتے رہیں! اگر ہم داہنے نتھنے کی بجائے بائیں نتھنے سے سانس لیں تو اس کی سزا ۵ ہزار برس تک جہنم کا عذاب ہے۔ اگر داہنے پاؤں کے بجائے بایاں پاؤں اٹھائیں تو ہمارے لئے ۹۰ ہزار برس دوزخ کی آگ میں جلنا لازمی ہے! اگر بائیں ناک پکڑ کر ہیں تو عاقبت میں آتشیں تازیانے ہماری کمر پر پڑیں گے، کروٹ لیں تو اس طرح ناک صاف کریں تو یوں، نقوش میں رکھیں تو اس طریقے سے اور بستر پر آرام کریں تو اس پہلو —— غرضیکہ ہر سانس کے ساتھ قانون کی ایک دفعہ موجود ہے —— سزا اور انجام تفصیلات کے ساتھ ان مذہبی عدالتوں میں جہاں پاجاموں کی لمبائی، داڑھیوں کا طول، مونچھوں کا وزن ناپا تولا جاتا ہے۔ انسانی دماغ کا میدان عمل ہر طرف محدود ہے، اور انسانوں کی شخصیت مفلوج، ہمارا کھانا، پینا، رونا، ہنسنا، سونا، جاگنا، چلنا، دوڑنا، سب مذہب کے اجارہ داروں کی مرضی پر منحصر ہے! ہماری قوت امتیازی معطل ہے! مذہب کے اصولوں کو چھوڑ کر دنیا فروع کی الجھنوں میں پھانس دی گئی ہے، غضب تو یہ ہے کہ اصول توڑے جاتے ہیں اور فروع کی پابندی پر نجات کا انحصار کیا جاتا ہے، محبت، اخوت، انسانیت عبدیت اس کا تو ذکر نہیں، لیکن جھگڑا یہ ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے، کس طرح عورت کی زندگی مرد کے جابرانہ قبضہ میں دے دی گئی، واعظ صاحب جب چوکی پر تشریف رکھتے ہیں اور مذہب کے مسائل بیان فرماتے ہیں تو خطابت اور بیان کا سارا زور اس مسئلہ پر صرف ہوتا ہے کہ بیوی کو خاوند کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیئے! لیکن شوہروں کو اپنی بیویوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے اور مردوں پر عورتوں کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا! ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی، ہمارے لئے تو دنیا میں صرف ایک مٹی گھروں اور ایک آمد گھر ہے جو مرد ہم کو عطا کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا قانون بھی وہی بناتا ہے اور مذہب کے قانون کے معنی بھی وہی ہم کو سمجھاتا ہے —— جو اس کا جی چاہے ہم کو سمجھا دے! مرد نے پردہ کو ہماری عصمت کا محافظ بنایا ہے، گویا عورت اس قدر بد اصل ہے کہ اگر پردہ کے اندر بند نہ رہے تو اس کی عصمت محفوظ نہیں رہ سکتی! جب کوئی مرد کہتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے پردہ ضروری ہے تو اس کے صاف یہ معنی ہوتے ہیں کہ عورت کی اخلاقی حیثیت اس کی نگرانی کی محتاج ہے مگر میں کہتی ہوں کہ عورت سے زیادہ مرد کو پردے میں بٹھانے کی ضرورت ہے، اگر پردہ لازمی ہے تو مرد کے لئے ہونا چاہیئے نظر بندڈاکو کو کیا جائے جو ڈاکہ ڈالتا ہے نہ اس غریب کو جس کے گھر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، عورت تو بے پردگی میں بھی اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے لیکن مرد اس کو صرف اس لئے پردے میں بند رکھتا ہے کہ خود مرد کے گناہوں پر پردہ پڑا رہے۔ جابر حکومتیں اپنے مظلوموں کی آواز بند رکھنے کے لئے نظر بندی —— زبان بندی اور قید کی ہزاروں صورتیں پیدا کر لیتی ہیں تاکہ مظلوموں کی آواز قید خانے کی دیواروں کے باہر نہ جا سکے۔ مرد کی تمام ذہنی تربیت یہی ہے کہ ہر کام خوف اور دھمکی سے انجام دیا جائے، اس کے مذہب کا سب سے بڑا عنصر خوف ہے —— اور لالچ، سزا کا خوف اور انعام کی توقع! اچھا کام اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ اچھا ہے، بلکہ اس لئے کہ نہ کرنے میں سزا کا اندیشہ ہے اور کرنے میں انعام کی امید ہے! جس اخلاق انسانی کی بنیاد سزا کا خوف ہو وہ ایک کاغذ کی قندیل ہے جس کا کاغذ خوبصورت ہے مگر چراغ روشن نہیں!

یہ نہ سمجھنا کہ میرے دل میں مذہب کا احترام نہیں ہے اگر میرا تخیل مذہب کے متعلق کچھ اور ہے۔ میرے نزدیک جو کام محض جنت کی امید پر کیا جائے وہ محض دھوکہ ہے اور جو جرم محض دوزخ کے ڈر سے نہ کیا جائے وہ فریب ہے، گناہ گار اگر ۹ ہزار برس دوزخ میں جلائے جانے کے ڈر سے گناہ نہ کرے تو بھی اس کی گناہ گاری کم نہیں ہوتی، اس کا دل و دماغ بدستور گناہ گار رہتا ہے، البتہ دوسرے لوگ اس کے گناہ کی زد سے بچ جاتے ہیں مگر خود اس کے لئے نجات کا کوئی راستہ پیدا نہیں ہوتا۔ نیک کردار اگر محض

جنت کے لالچ میں نیکیاں کرے تو اس کی نیکیاں بھی بے قیمت ہیں۔ عمل کتنا ہی نیک ہو، نفس نیک نہیں تو پاک بازی کا دعویٰ غلط ہے۔ مرد کی ذہنیت کا اندازہ اس نکتہ سے کر لو کہ اس نے اپنے تخیل میں جو جنت بنائی وہ یک سر ایسی نعمتوں سے بھر دی گئی جو مرد کو مرغوب ہیں! عورت کا حقیر وجود بس جنت میں بھی اتنا ہے کہ وہ حوریں کر ساکنانِ فردوس بریں کی خدمت کریں!!

میں اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتی اور نہ تم سے اور تمہارے ہم خیال لوگوں سے اس مسئلہ میں الجھنا چاہتی ہوں۔ لامذہب میں بھی نہیں ہوں مگر میرا مذہبی تخیل تمہارے تخیل سے کوسوں دور ہے! مذہب کا تخیل میرے دماغ میں وہ نہیں ہے جو "مولانا" اور "مرشد" تمہیں سمجھاتے ہیں۔

ایسی بیوی کے ساتھ جس کم بخت کے یہ خیالات ہوں تمہاری زندگی کیوں کر گزرے گی۔

پینتیسواں خط

کئی دن سے کہاں ہو؟ نہ تمہارا کوئی خط آیا نہ تم خود آئے، کیا اچھا ہو کہ تمہاری یہ بے رخی اس امر کی علامت ثابت ہو کہ عشق کا پارہ اب گرنے لگا ہے بہر حال تمہاری خیریت معلوم کرنا چاہتی ہوں، اس لئے زیادہ فکر ہے کہ تم کئی دن سے مضمحل تھے ایسا تو نہیں کہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہو!!

چھتیسواں خط

مجھے خبر بھی نہ کی اتنے بیمار ہو کہ اپنے قلم سے دو حرف نہیں لکھ سکتے۔ پھر اس تنہائی اور غریب الوطنی میں کیا میں بھی تمہاری تیمار دار نہیں بن سکتی۔ تم سے وہ محبت نہ بھی کر سکوں، جس کی تم مجھ سے خواہش رکھتے ہو۔ تب بھی بہر حال میں تمہاری دوست، نیاز مند اور خیر طلب تو ضرور ہوں، یہ نہیں ہو سکتا کہ بستر علالت پر میں تمہیں تنہا چھوڑ دوں، تم آج تک اتنا نہ سمجھے کہ بہر حال میرے دل میں تمہاری جگہ ہے اور میرا دل وہ نہیں ہے جو دکھ نہ سکتا ہو۔ یہی کہ میں ایک عصمت فروش اور ناموس باختہ عورت ہوں مگر یہ شاید تو تم بھی جانتے ہو کہ انسانیت سے محروم نہیں ہوں، یہ معلوم کر کے کہ تم کئی دن سے سخت بیمار ہو اور تم نے مجھے خبر بھی نہیں کی میرے گنہ گار دل کو ایک ٹھیس لگی۔ جو عورت بیوی بنائی جا سکتی ہو، وہ بیوی بنائے جانے سے پہلے تیمار دار بنائے جانے کے قابل بھی نہیں سمجھی جا سکتی، جو عورت بازاری معشوق بن کر ہر وقت تم کو اپنا نیاز مند بنائے رکھتی ہو کیا تمہارے خیال میں اس کا دل نیاز سے بالکل خالی ہے! وہ ناز ہی جانتی ہے، نیاز نہیں جانتی۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ عیش میں تم میرے نیاز مند ہو تو تکلیف کی حالت میں میں تمہاری نیاز مند بن سکوں! مجھے اجازت دو کہ جب تک تم صحت یاب نہ ہو جاؤ، میں اپنا فرض انجام دوں ——

وہ فرض، جو صرف عورت کا فرض ہے اب سے شبر میں اپنی جنسیت کو اپنے پیشہ پر قربان کر چکی ہوں تاہم سطح کے نیچے بہنوز ایک عورت زندہ ہے! جو تھکے ہوئے مسافروں کی راحت، زخموں کا مرہم، زندگی کے اندھیرے میں روشنی کی ایک شعاع بن سکتی ہے! مرد تو شاید حیوانیت کے طوفان میں اپنی جنسیت بھی فنا کر دیتے ہیں، مگر عورت کسی حال میں اپنی فطرت سے بیگانہ نہیں ہوتی —— بظاہر اس کی جنسیت کتنی ہی فنا کیوں نہ ہو جائے! میں تمہاری روح کی مداوا نہ کر سکی، اس کا فنا کر دینا میرے پیشے کا فرق ہے! مگر میں تمہارے جسم کی مداوا تو کر سکتی ہوں، میری جنسیت کا یہی تقاضا ہے، عیش کے لمحوں میں میں نے تم کو زہر پلایا! لیکن تکلیف کی ساعتوں میں شہد بھی پیش کر سکتی ہوں!

جب تک تم وطن نہیں جاتے میں تمہاری تیمار دار رہوں گی!

سینتیسواں خط

یہ چار ہفتے ایسے گزرے کہ گویا میں اس دنیا میں ہی نہ تھی! تمہارے بستر کے پاس صبح سے شام اور شام سے صبح تک بیٹھے ہوئے —— ہر روز اپنے لئے ایک نئی دنیا بناتی تھی اور بگاڑ دیتی تھی تیمارداری میری زندگی کا ایک نیا تجربہ تھا۔ شکریہ کیسا! اور احسان کس کا؟ مجھے اپنی احسان مندی کا اظہار کر کے شرمندہ کرتے ہو، اپنی عمر میں آج تک کسی بیمار کی تیمارداری نہیں کی میرے لئے یہ ایک بالکل نیا کام تھا۔ بہن، بیٹی اور بیوی بن کر عورت کو اپنی فطرت کے مظاہروں کے لئے عمل کا ایک نیا میدان ملتا ہے! میں آج تک نہ کسی کی بہن بنی، نہ بیٹی، نہ بیوی، مجھے کیا خبر تھی کہ خدمت میں عورت کیا مزہ پاتی ہے! ناز ہی جانتی تھی نیاز مجھتی تھی کہ میرے نیاز مندوں کا حصہ ہے! لیکن گذشتہ چار ہفتوں میں میں نے ایک نئے مکتب میں کچھ سبق پڑھے۔ اپنی بھولی ہوئی انسانیت یاد آگئی۔ یاد آگیا کہ عصمت فروش ہوں مگر عورت بھی ہوں، میری روح نے ایک نئی گھنٹی بجائی جس کی آواز میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔

تمہارے بستر کے پاس راتوں کو جب تم سوتے ہوتے تھے، یا بخار کی حالت میں بے خبر سوتے تھے، میں بیٹھے بیٹھے اپنے دل سے گھنٹوں باتیں کیا کرتی تھی۔ وہ کہتا تھا:

"تو یہ بھی کر سکتی ہے لیلیٰ! تیری کھوٹ میں کچھ کسر بھی ہے؟ تو عشاق کے بازوؤں پر گیسو کھول کر سونے والی، ایک بیمار کے بستر پر اس طرح جاگ بھی سکتی ہے تو رات بھر محفل عیش میں جاگ کر صبح کر دینے والی، تو آدھی رات کے بعد سونے والی اور دو گھڑی دن چڑھے اٹھنے والی، تو بیمار کے سرہانے جاگ کر پورے دن بھر اور پھر رات بھر اور پھر دن بھر جاگتے جائے گی جاگتے جائے گی؟ تیرے ہاتھ جو حنا سے زیادہ کوئی وزن برداشت کرنا نہیں جانتے، جو چٹکیاں لینے کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتے، جن کا ایک ناخن کس دردمری کے ساتھ بنایا جاتا ہے، اور رنگا جاتا ہے سجایا جاتا ہے، وہ ہاتھ دلیا تیار کر سکتے ہیں۔ بیمار کا بستر بھی صاف کر سکتے ہیں! اس کے سر کا سہارا بھی ہو سکتے ہیں، اس کی مکھیاں بھی اڑا سکتے ہیں لیلیٰ! تو نے یہ سب کہاں سیکھا تو جو مرتے ہوئے روتے ہوئے عاشقوں کو رات کے اندھیرے میں ٹھکرا کر گھر سے نکال دیتی تھی، تجھ سے یہ ماؤں کا کام کیونکر بن آیا ——؟"

گھنٹوں میرا دل اس طرح کی باتیں مجھ سے کرتا رہتا تھا اور میں خود حیران ہو ہو کر اپنے متعلق ان عجیب انکشافات کو سنتی رہتی تھی! میرے لئے زندگی کا یہ بالکل نیا تجربہ تھا! میں جو صبح کو دو گھنٹے اور شام کو تین گھنٹے اپنے چہرہ اور جسم کی آرائش میں مصروف رہتی ہوں، جو دن میں تین تین دفعہ لباس بدلتی ہوں تمہاری بیماری میں پانچ پانچ دن میلے کپڑے پہنے بیٹھی رہتی تھی اور دن بھر منہ دھونے کا خیال بھی نہ آتا تھا، دنیا میں میرا کوئی چاہنے والا یقین نہیں کر سکتا کہ یہ چار ہفتے میں نے کیونکر اس طرح گزارے ہوں گے!۔

جب عورت کے دل میں اپنی عزت کا احساس باقی نہیں رہتا وہ خود اپنے وجود کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے تو یہی اس کی موت ہے۔ وہ اس موت کے بعد اس دنیا میں زندہ بھی رہے مگر وہ عورت بن کر زندہ نہیں رہتی اور اگر اس حالت میں دفعتہً وہ محسوس کرنے لگے کہ ابھی اس کے اندر "عورت پن" کچھ نہ کچھ باقی ہے، ابھی وہ اتنی ذلیل نہیں ہوئی ہے جتنا کہ وہ سمجھتی تھی تو گویا وہ پھر ایک دفعہ خواب مرگ سے بیدار ہو رہی ہے! موت میں زندگی کی ایک کروٹ بھی کچھ کم نہیں ہوتی! گذشتہ چار ہفتوں کی تیمارداری کے بعد مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری زندگی کی ظلمت میں ایک ایسی شعاع پیدا ہوئی ہے —— جو میرے وہم و گمان سے باہر تھی! ——

گویا میں نے کچھ پالیا۔ گویا مجھے میری محبت کا معاوضہ مل گیا! پھر شکریہ کیسا؟ جو کچھ میں نے کیا وہ میری محبت کا تقاضا تھا، شکریہ ادا کر کے تم کیوں میری فطرت کی توہین کرتے ہو؟

اڑتیسواں خط

جب تم محلوں کے خواب دیکھ رہے ہو، اور یکایک تمہارے جھونپڑے میں آگ لگ جائے!

جب تمہارا تخیل تم کو ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا رہا ہو، اور تم دفعتہً اٹھ کر بازار کی پالی میں گرا ہوا پاؤ۔

جب تم کو یقین ہو گیا ہو کہ تم بہت مشہور و معروف اہل قلم میں سے ایک ہو اور تمہارا شمار اہل علم و فضل

کی صف میں کیا جا رہا ہے، دنیا تمہارے لکھے ہوئے ایک ایک حرف کو موتیوں اور الماس کے ٹکڑوں کی طرح سمیٹ رہی ہے، اور یکایک محلہ کا بوڑھا چٹھی رساں ایڈیٹر صاحب کا پوسٹ کارڈ لا کر تم کو دے جس میں لکھا ہو کہ ——— "افسوس ہے آپ کا مرسلہ مضمون اس قابل نہیں کہ چھاپا جائے!

جب تمہارا تصور تم کو ایک بہت بڑے لیڈر قوم کی صورت میں شہرت اور عزت کے ساتویں آسمان پر چڑھا دے، تمہارے گلے میں منوں ہار پڑے ہوں تمہاری گاڑی کو ہزارہا انسان کھینچ رہے ہیں، تمہارے سنسنی خیز خطبۂ صدارت نے تہلکہ مچا دیا ہو، تمہاری ہر سانس کے ساتھ حریت کے شعلے نکل رہے ہوں ——— پھر سوتے سوتے یکایک تم جاگو اور اپنے کو چنڈو خانہ کی پھٹی ہوئی چٹائی پر پڑا ہوا پاؤ!

جب تمہارا پیکر خیال ایک مولانا اور مرشدنا کے وجود مسعود کا جامہ پہن لے اور تم دیکھو کہ مسجد کے صحن میں اور مدرسہ کے دالان میں ہزارہا بندگان خدا تمہارے ہاتھوں کو بوسے دے رہے ہیں ——— تمہارے قدموں پر پیشانیاں رگڑ رہے ہیں، تمہارے عبا کے دامن کو غلاف کعبہ سمجھ رہے ہیں اور تم اپنے ابرو کے اشارے سے لوگوں کو جنت و دوزخ میں داخل کر رہے ہو، عرش اعلیٰ سے فرشتے تمہارے پاس پیام لے کر آ رہے ہیں! ——— اور پھر یکایک لوہے کے بھاری کواڑوں کے بند ہونے کی آواز تم کو چونکا دے، اور تمہیں یاد آئے کہ پولیس نے تم پر ایک منکوحہ عورت کے فرار کرانے کا الزام لگا کر حوالات میں بند کر دیا ہے!

جب تم خواب دیکھ رہے ہو کہ تم دنیا کے بہت بڑے ہوا باز ہو، تم اپنے آلۂ پرواز میں کوہ ایورسٹ کی چوٹی پر پہنچ گئے ہو، تمہارے کارناموں سے اخبارات کے کالم بھرے ہوئے ہیں، پھر تمہاری آنکھ کھل جائے اور ہوائی جہاز کے بجائے تم ایک کٹی ہوئی پتنگ کو اپنے مکان کے چھپر پر گرتے ہوئے دیکھ کر دوڑ پڑو! ———!

جب تم تصور کر رہے ہو ہاتھی یا موٹر کی سواری کا، اور اپنے کو سوار پاؤ ٹیکہ پر، خواب دیکھ رہے ہو شیر کے شکار کا اور سوتے سوتے ناک پر مچھر کے ڈنک کی تکلیف سے تم اچھل پڑو جب تخیل تمہارے منہ میں لذیذ اور لطیف لقمے دے رہا ہو لیکن تم کو اپنے ہاتھ میں سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا نظر آئے! ———

جب تم حاکمانہ عظمت و جلال کے خواب دیکھ رہے اور آنکھ کھلنے کے بعد اپنی اصلیت کو ایک غلام سے زیادہ نہ پاؤ! ———

اس وقت خواب اور اس کی تعبیر کا فرق تمہیں معلوم ہوتا ہے! جب میں تمہارے بستر علالت کے پاس بیٹھے ہوئے رات کی تاریکی اور خاموشی میں یہ خواب دیکھتی تھی کہ گویا میں ایک شریف اور باعصمت بیوی ہوں، جو اپنے شوہر کی خدمت کر رہی ہے! تو اس خواب کے لطف میں رات کے جاگنے کی تکلیف اور تیمارداری کی زحمت کو بالکل بھول جاتی تھی اور بعض راتیں تو ایسی گزر رہی ہیں کہ میں شام سے صبح تک ——— جب تم بخار کی حالت میں غافل پڑے ہوتے تھے ——— اسی دنیا میں رہی، لیکن اب کہ تمہاری تیمارداری سے فارغ ہو کر اپنے گھر آئی ہوں! اور عشاق کی عشق بازی کا سلسلہ پھر شروع ہوا ہے اور دردِ فراق میں مرتے ہوئے چاہنے والے پھر جمع ہوتے جاتے ہیں! ——— اب مجھے بھی خواب اور اس کی تعبیر کا عبرت انگیز فرق محسوس ہو رہا ہے! "لیلیٰ! وہ دنیا جو بیمار کے سرہانے تھی تیرے لئے نہیں ہے" کوئی مجھ سے کہتا ہے!

اٹھالیسواں خط

اب تو ماشاءاللہ تم اہل قلم کی آسمانی اور روحانی برادری میں داخل ہوتے جاتے ہو، جب تم دیکھو کہ تم ایسے جھوٹ لکھ سکتے ہو جن کے اندر سے بہت سے جھوٹ پیدا ہو سکیں، بہت سی شاخیں پیدا ہو سکیں، تو سمجھ لو کہ تم اہل قلم ہو گئے! اہل قلم کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھاپہ خانہ کی روشنائی سے اپنا نام چھپا ہوا دیکھنے کی بہت بے صبر خواہش رکھتا ہو، اگر رسالے اور اخبارات آپس میں مجرمانہ سازش کر لیں اور کوئی بھی اس کے مضامین نہ چھاپے تو اس زبردستی اور ناانصافی کے خلاف وہ اپنے کو مشتہر کرنے کی دوسری صورتیں پیدا کرے، یعنی وہ اشتہاری دوا فروشوں کو اسناد دینا شروع کر دے۔ سر میں ڈالنے کے تیل سے جب مقوی اور آنجہانیات تک ہر دوا کے لئے وہ اپنے تجربات تحریر کر کے مالکان کارخانہ کے پاس بھیج دیا کرے بلاشبہ وہ شائع کئے جائیں گے اور ان کے نام کی اشاعت سے اس کی روح تسکین حاصل کر سکے گی، اس سے بحث نہیں، کہ اس نے روغن مفرح دماغ استعمال کیا ہے یا نہیں، لیکن وہ لکھے، کہ میں بالکل گنجا ہو گیا تھا، مفرح دماغ نے اتنے بال پیدا کر دیئے کہ ہر تیسرے دن حجام کو بلانا پڑتا ہے! اکسیر بدن کا اس نے تجربہ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر وہ بے تکان تصدیق کرے گا کہ میرا وزن گھٹتے گھٹتے تین چھٹانک رہ گیا تھا! طالب علمی کے زمانے میں میں اتنا دبلا پتلا تھا کہ اگر کلاس میں ذرا ترچھا بیٹھ جاتا تو ماسٹر صاحب رجسٹر میں غیر حاضری درج کر دیتے، مگر اکسیر بدن کے استعمال کے بعد یہ حال ہے کہ مولانا شوکت علی سے کشتی بدنے کے لئے تیار ہوں "حب مقوی کے متعلق وہ حلفیہ بیان دے گا کہ "یہ وہ دوا ہے جس سے مردے زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور اکثر مقامات پر ہو چکے ہیں۔

"وہ خود اپنے امراض کی ایک طویل فہرست پیش کرے گا اور لکھے گا کہ تمام اطبا اور ڈاکٹر جواب دے چکے تھے مگر تریاق مسیحی نے میرے تمام امراض کو ختم کر دیا۔ گویا میں دوبارہ ماں کی گود میں پیدا ہوا۔ کمر میں درد تھا، آنکھوں میں پانی اتر رہا تھا، ٹانگوں میں گنٹھیا کی سخت تکلیف تھی، گردے بہت کمزور ہو گئے تھے، جگر پر ورم تھا، مگر اس تریاق نے ساٹھ برس کے بڈھے کو بالکل نیا کر دیا طبیعت میں نوجوانی کی امنگ پیدا ہو گئی، کالج میں پھر نام لکھانے کو جی چاہتا ہے!

یہ سند "جادو نکاح کھینچئے" کے عنوان کے ماتحت پورے صفحے کے اشتہار کے ساتھ تمام سنجیدہ اخبارات و رسائل میں شائع ہو گی! اس طرح ان ایڈیٹروں سے انتقام لیا جا سکے گا جو اہل قلم کے مضامین شائع کرنے میں بے جا بخل سے کام لیتے ہیں ——— کہتی یہ ہوں کہ تم بھی اگر اہل قلم بننا چاہتے ہو تو اپنی مضمون نگاری میں زیادہ تر اشتہاریت کے نصب العین کو سامنے رکھو ——— اگر میرے تمہارے ان خطوط کی اشاعت سے اخبارات و رسائل کے شقی القلب ایڈیٹر انکار بھی کر دیں اور کسی طرح بھی ہماری تمہاری عاشقی معشوقی زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکے تو پھر کسی اشتہاری دوا فروش ہی کے ذریعے سے میرا تمہارا معاملہ شائع کر دیا جائے، تم ایک سند لکھ دینا کہ "میں نے تریاق مسیحی کھایا اور عشق کے مرض سے شفا کلی حاصل کی"۔ میں ایک بیان لکھ دوں گی کہ "میں نے معجون مرکب بہ نسخہ کلاں استعمال کی، اور اس کے اثر سے اپنے افعال قبیحہ سے تائب ہونے پر مجبور ہو گئی"۔ پھر دیکھو اخبارات و رسائل کے صفحات پر میرا تمہارا نام کس قدر روشن ہو گا۔ لوگ کہیں گے کیوں صاحب! یہ لیلیٰ صاحبہ کون ہیں جو معجون مرکب بہ نسخہ کلاں کے اثر سے تائب ہو گئیں! اور یہ ان کے عاشق کون ہیں جن کو تریاق مسیحی نے عشق سے نجات دی!" پھر لوگ پتہ لگاتے ہوئے میرے غریب خانہ پر آئیں گے اور ان میں سے بہت سی مکھیاں ہوں گی جو میرے شیرے پر چپک کر رہ جائیں گی، تو بہ کی تشہیر ایک طرف، عشاق کی تسخیر دوسری طرف۔ ع

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مجھے تو بار بار خطوط لکھتے ہو بجائے اس کے بہتر ہے کہ اپنے عشق ناسازگار کی داستان کسی اردو کے رسالے میں لکھنا شروع کر دو۔ مجھے بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچے گا اور تمہارے پاس بھی اونچے اونچے خاندانوں سے پیام فرزندی آنے لگیں گے! اپنی ادبی قابلیت کو گمنام خطوکتابت میں ضائع کرنے سے کیا حاصل؟ اگر دنیائے ادب میں نام پیدا کرنا چاہتے ہو تو اشتہاری مضامین لکھنا سیکھو! ———

یہ تمام خط اس خبر کی تمہید ہے کہ آج کل ایک ایڈیٹر اور ایک بڑے کاروباری دوا فروش میرے مکڑی کے جالے میں لٹکے ہوئے ہیں، شاید ایڈیٹر صاحب تو اس لئے پھنسے کہ میرے انداز دلبری کا مطالعہ ان کی مضمون نگاری کا معاون ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ دوا فروش اس لئے گرفتار ہوئے ہوں کہ میرے گھر ان کی مقویات کے کافی خریدار مل سکتے ہیں۔

چالیسواں خط

تھکی ہوئی امیدیں اور خواہشیں، تھکے ہوئے ارادے اور حوصلے تھکے ہوئے خیالات۔ تھکی ہوئی محبت، تھکے ہوئے بوسے، تھکا ہوا غم تھکی ہوئی خوشی ـــــ تھکی ہوئی ساری زندگی۔ لے اللہ پھر کیوں میرے تھکے ہوئے دل میں خواہشات کی نئی نئی دنیائیں پیدا ہوتی ہیں؟ جن میں خوشی اور غم ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈالے ـــــ لڑتے، جھگڑتے، مرنے چلے آتے ہیں اور میری خاموش زندگی میں تہلکہ مچانے دیتے ہیں؟ میں اس مٹی کے کیڑے کی طرح ہوں، جو مٹی میں پیدا ہوتا ہے، مٹی میں رہتا ہے، مٹی کھاتا ہے، مٹی سے پرورش پاتا ہے اور پھر ایک دن کسی راہرو کے پاؤں سے کچل کر مٹی ہی میں مل جاتا ہے! اس بدنصیب کیڑے کو کیا اتنی بھی خبر نہیں کہ اگر خواہشیں اس کے دل کو کریدیں گی تو اس کا حشر کیا ہوگا؟ سورج کی روشنی، چاند کی ضیا، پھولوں کا حسن، بجلی کی چمک، بادل کی گرج ـــــ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کیڑے کے دل میں خواہشات کو نہ آنے دے یا جو آئیں ان کو مٹا دے اور پھر اس مشتِ خاک کو اپنے آغوش میں لے کر اڑ جائے، پھیل جائے ساری فضا میں سما جائے!

تم کہو گے میرا اتار چڑھاؤ بھی عجیب ہے، کبھی بجلی بن کر چمکتی ہوں، کبھی بادل بن کر گرجتی ہوں، کبھی برستی ہوں تو برستے جاتی ہوں! ـــــ کبھی آندھی کی طرح اٹھتی ہوں تو چڑھے جاتی ہوں، کبھی پھول کی طرح مسکراتی ہوں اور کبھی شبنم کی طرح آنسو بن جاتی ہوں! ـــــ ہنستے ہنستے رو دیتی ہوں، روتے روتے ہنسنے لگتی ہوں ـــــ کچھ میرا ٹھکانا ہی نہیں، ابھی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں! تو ابھی گرمیوں کی دوپہر کی لو چلنے لگی! ـــــ میرا کچھ عجب حال ہے، میں کچھ عجب انسان! کس نے مجھے ایسا بنا دیا، کیوں میں ایسی بن گئی؟

تم کہتے ہو کہ تم بیمار رہتے تو اچھا تھا کہ میں ہر وقت تمہاری تیمارداری میں معروف رہتی۔ ـــــ مگر تم اچھے کب ہوئے؟ جب سے میری تمہاری ملاقات ہوئی ہے اس دن سے آج تک میں نے تو یہی دیکھا کہ تمہارا دماغ علیل ہے، تمہارا دل بیمار ہے، تمہارے جگر میں زخم ہیں اور میں بھی روز ازل سے تمہاری تیماردار ہوں ـــــ تیماردار ہی نہیں بلکہ معالج اور طبیب! کبھی مذاق اور مزاح کے رنگ میں، کبھی حقارت اور نفرت کے انداز میں، کبھی غصہ سے، کبھی محبت سے، کبھی ہنس کر، کبھی رو کر تمہارا علاج کرتی ہوں! ـــــ تم بدپرہیز ہو اس لئے اچھے نہیں ہو پاتے، ممنوعات سے پرہیز نہیں کرتے پرانے بیمار کی طرح چڑچڑے ہو گئے ہو، ضدیں کرتے ہو، تمہیں یہ معلوم نہیں کہ بیماری سے زیادہ تیمارداری کٹھن ہوتی ہے، جو کہیں میں بیمار ہو جاؤں، وہی بیماری مجھے ہو جائے (خدا نہ کرے) جو تمہیں ہے تو کیا تم میری تیمارداری کر لو گے؟ ہو سکے گی؟ کیا کہوں تم سے کہ بیمار تم نے ابھی دیکھے ہی نہیں۔ تم جانتے ہی نہیں کہ بیمار کہتے کسے ہیں، سر میں درد ہو جاتا ہے تو سمجھتے ہو کہ بیمار ہو گئے، جب کلیجہ پگھل کر پسینہ کے ساتھ بہنے لگے۔ دل کے اندر فولاد کو گلا دینے والی ایک بھٹی گرم ہو، آنکھیں آنسو بن کر بہہ جائیں اس وقت سمجھو کہ بیماری، بیماری ہے! ـــــ ابھی تو تھوڑی سی سوء مزاجی ہے اور بس! ـــــ تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ حسرت و ارمان کی اس دنیا میں مرنے والے، تڑپنے والے اور بیمار ہی دراصل جیتے ہیں۔ باقی سب چلتی پھرتی لاشیں ہیں! بیمار تم نے دیکھے ہی نہیں جب نیزہ کی انی دل کے پار ہو جائے، جب تلوار کی دھار مدرج کے اندر بیٹھ جائے، جب زہر کا بجھا ہوا ایک تیر جسم کے اندر جان میں پیوست ہو، اور ہر وقت کھٹکتا ہو! ـــــ جب سمجھو کہ تم بیمار ہو!

اکتالیسواں خط

گناہ؟ کیا کہا؟ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ جس چیز سے دنیا میں انسان کو مفر نہ ہو، جو اس قدر عام ہو کہ ایک سو ایک فی صدی اس میں مبتلا ہوں اس کو برا کیوں کہو؟ اگر پانی پینا گناہ ہے، آنکھوں سے دیکھنا گناہ ہے، کانوں سے سننا گناہ ہے تو پھر بتاؤ وہ کونسی بات ہے جو گناہ نہیں ہے؟ کون ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بے وفائیاں نہیں کرتا؟ دوسروں کی ملکیت پر قبضہ جابرانہ نہیں کرتا، ایک ایک گز زمین پر جان نہیں دیتا۔ ایک ایک کوڑی کے لئے اپنے بھائیوں سے نہیں لڑتا، ایک ایک لقمہ کے لئے جھگڑا نہیں کرتا! ـــــ کون ہے؟ بادشاہ سے گدا تک، مسجد کے سب سے اونچے مینار سے، مندر کے سب سے بڑے گھنٹے سے لے کر رونے والی بلبلوں تک! دنیا میں نہ گناہ کوئی چیز ہے نہ ثواب! ساری انسانی زندگی کی بنیاد صرف دو عناصر پر ہے! قوی اور ضعیف، قوی سراپا ثواب ہے! اور ضعیف سراپا گناہ، ـــــ یہی صرف دو قانون ہیں، دو مذہب ہیں، دو مسلک ہیں، دو قومیں ہیں، انسانیت کے دو اصول ہیں، ترازو کے دو پلے ہیں، بس قوی اور ضعیف، ان دو لفظوں میں دنیا کی تمام زندگی کی تفصیل مرکوز ہے! قوی قانون بناتا ہے۔ ضعیف، سزائیں پاتا ہے۔ قوی اپنی شہرت اور طاقت کے مینار بناتا ہے، ضعیف اپنی قبریں کھودتا ہے جو شراب قوی پئے وہ بالکل جائز اور حلال، جو ضعیف پئے وہ مطلق حرام اور ناجائز! جو قتل قوی کرے وہ انصاف اور جائز انتقام اور جو ضعیف کرے اس کی سزا موت! جو خلاف ورزی فطرت قوی کرے وہ عین فطرت اور جو ضعیف کرے وہ مستوجب سزا! عورت کے ساتھ قوی کا برتاؤ جائز ضروری اور مناسب، لیکن ضعیف اگر وہی کرے جو قوی کرتا ہے تو قیامت آجائے اس ضعیف سے زیادہ ظالم، بدکردار، گناہ گار ـــــ کوئی نہیں! قوی جب اپنے محل میں دو ہزار عورتیں اور لونڈیاں بھر لے تو وہ سب بیگمات ہیں اور سب پر اپنے مالک کی اطاعت لازم ہے، لیکن ضعیف اگر ایک سے زیادہ عورت کو اپنے پہلو میں بٹھائے تو وہ عیاش ہے، بدکار ہے، بڑے سے بڑا قاتل، عیاش، شراب خور، امیر المومنین خلیفۃ المسلمین اور مہاراج ادھیراج بن سکتا ہے! لیکن اس کے غلاموں کو قتل، عیاشی اور شراب خوری میں اسی خلیفۃ المسلمین اور مہاراج ادھیراج کی عدالت سے دن رات سزائیں دی جاتی ہیں! سزا اور جزا کا انحصار ذرا بھی نیک و بد اعمال پر نہیں ہے ـــــ دراصل انحصار فریقین کی قوت اور ضعف پر ہے، پھر کیوں ناحق اخلاق اور اعمال کے معیار کو آسمانی اور ربانی کہتے ہو؟!

تم کہو گے کہ بغیر موجودہ نظم کے انسانی تمدن کا شیرازہ قائم نہیں رہ سکتا! میں کہتی ہوں کہ بغیر موجودہ تمدن کے کیا دنیا آباد نہ تھی؟

اگر قوی اور ضعیف کا توازن محض جسمانی قوتٰی کی طاقت پر قائم رہے تو بلاشبہ وہ ایک فطری امتیاز ہوگا، لیکن جب سوسائٹی کے ہر طبقہ میں، ہر دو انسانوں کے درمیان، خواہ وہ باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں مقابلہ جاری رہے اور اس مقابلہ کی بنیاد قوی جسمانی کا تفوق نہ ہو، بلکہ چالاکی، عیاری، مکاری، تفوق کا اصل اصول بن جائیں تو یہ دنیا جہنم سے کس طرح کم ہے؟ ہم جب اسی دنیا کے جہنم میں شاد و ناشاد زندگی بسر کر سکتے ہیں تو پھر اس دوسرے جہنم سے کیوں ڈریں جس کی دھمکیاں مذہب دیتا ہے! میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ جہنم شاید اس جہنم سے کچھ کم تکلیف دہ ہوگا، مدار یہ تو نہ ہوگا کہ ایک ہی جنس کی زندگی میں قوی کی سیاست ضعیف کو کچل رہی ہو! ہماری دنیا میں اعلیٰ دماغ وہ کہلاتے ہیں، جو غلام بنانے اور دوسروں کے حقوق پر جابرانہ قبضہ کر لینے کا فن جانتے ہوں! سیاست اس کو کہتے ہیں کہ ایک قوم کے وسیع پیٹ میں دوسری اقوام ہضم کی جا سکیں، معاشرت اس کو کہتے ہیں کہ ایک دولت مند اور چالاک طبقہ باقی تمام طبقوں پر حکومت کر سکے اور اس کا خون چوس چوس کر اپنی طاقت میں اضافہ کرتا ہے، ہماری معاشرت میں درحقیقت نسل انسان دو حصوں میں تقسیم ہے۔ برہمن اور اچھوت، مسلمان، ہندو، عیسائی، پارسی، ایرانی، عرب، سب اسی تقسیم کے ماتحت ہیں برہمن آقا اور غلام اچھوت! حاکم اور محکوم، سرمایہ دار اور مزدور، امراء اور مرید! ان مختلف ناموں کے پردے میں حقیقت ایک ہی ہے جو پوشیدہ ہے، قوی اور ضعیف، برا، اچھا، گناہ، ثواب، پاک و ناپاک، بلند و پست، مومن و کافر، حاکم و محکوم، آقا اور غلام، یہ

سب اصطلاحیں قوی وضع کرتا ہے۔ اور اسی معیار پر ضعیف جانچے جاتے ہیں: اگر آج تم کمزور ہو جاؤ اور میں قوی ہو جاؤں تو تمہارا وجود ایک ناقابل معافی جرم اور میری عصمت فروشی ایک پاکیزہ خصلت قرار پائے: میں جو کرتی ہوں وہ اعمال حسنہ کہے جائیں اور جو کچھ تم کرو وہ گناہ اور جرم سمجھا جائے، تمہاری طرف حقارت و نفرت کے وہی اشارے کئے جائیں، جو اب میری طرف کئے جاتے ہیں۔ کوئی تمہارا سلام بھی قبول نہ کرے اور جلوسوں میں میری گاڑیاں کھینچی جائیں!

مجھ میں تم میں اعمال کا فرق قابل توجہ نہیں، بلکہ قوی اور ضعیف کا وہ امتیاز ہے جس نے عورت کی گردن مرد کے پاؤں کے نیچے رکھ دی ہے، کیا خدا نے اس دنیا کو جب پیدا کیا تھا تو اس نے ہماری زندگی کا یہی نظم قائم کیا تھا جو آج ہے؛ تم چونکہ میرے مقابلے میں قوی ہو اس لئے یہی کہو گے کہ موجودہ تنظیم عین فطرت الٰہی ہے! میں چونکہ کمزور ہوں، مجھے تمہارا قول فیصل ماننا پڑے گا، مگر میرا ایمان یہ نہیں ہے میں قوی کے مقابلے میں ضعیف تو ہوں مگر باغی ہوں! تم میری انسانیت کا لباس اتار کر مجھے ننگا کر سکتے ہو، تم میری عصمت پر ڈاکہ ڈال سکتے ہو، تم اپنے گھر کی ماما اور لونڈی بنا سکتے ہو، مگر ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو کوئی قوی کسی ضعیف سے نہیں چھین سکتا! فطرت الٰہی کی یہی سب سے بڑی چٹان ہے جو مظلوموں کا سہارا ہے! مرد نے اپنی قوت و سیاست سے عورت کی ہستی کو مٹا رہا ہے اس کی پیشانی پر غلامی کا ٹیکہ لگا دیا ہے مگر ابھی تک وہ اس کے ایمان کو نہیں مٹا سکا ہے، ہندوستان میں اور اغلباً تمام ایشیا میں ایک دفعہ، عورت، مرد کے تفوق کے خلاف ایسی خوفناک بغاوت کرنے والی ہے، جو تمہاری خود ساختہ سوسائٹی کے شیرازہ کو درہم برہم کر دے گی، ہم تم غالباً اس وقت دنیا میں زندہ نہ ہوں گے جب وہ طوفان نوح آئے گا لیکن ہماری آئندہ نسلیں عورتوں کو مردوں کے تخت شاہی پر قبضہ کرتے دیکھیں گی اور ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا جائے گا —— بلاشبہ خطاکار مردوں کے لئے وہ یوم الحساب بہت سخت ہوگا!

عورتوں کی جرأت تمہیں ناپسند ہو، تم لوگ بلا تکلف کہہ دیتے ہو کہ یہ گناہ ہے! یہ جرم ہے! لیکن ہم اگر تمہارے کسی گناہ یا جرم کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں تو تم ہماری آنکھیں پھوڑنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہو! مجھ جیسی بازار میں بیٹھنے والی عورتیں سب سے زیادہ زخم نصیب ہیں اور سب سے زیادہ مظلوم! وہی انشاء اللہ باغیوں کی سب سے پہلی صف میں کھڑے ہو کر اپنے نیزوں کی نوک تمہارے سینوں پر رکھ کر تم سے کہیں گی! ——

لاؤ جو کچھ تم نے ہم سے گذشتہ صدیوں میں چھینا ہے اس خون کے ایک ایک قطرہ کا حساب دو، جو تم نے بہایا ہے، مٹے ہوئے ارمانوں، ٹوٹی ہوئی امیدوں، زخمی دلوں، بگاڑے ہوئے نصیبوں کی قیمت ادا کرو، ایک ایک زخم گن لو، جو تم نے لگائے تھے، سب ہرے ہیں —— ان میں سے ہر زخم کے بدلے تمہاری بدکردار روح کو ٹکٹکی سے باندھ کر ایک ایک لاکھ چابک لگائے جائیں گے!"

اس دن تمہارے غرور کی کمر ٹوٹے گی اور اس دن خدا کے انصاف کی ترازو کے پلّے برابر ہو جائیں گے!

انتقام کا یہ خواب میری طرح ہزاروں مظلوم عورتیں دیکھ رہی ہیں، تمہارا ظلم بڑھتا جائے گا اور اس کے ساتھ باغیوں کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی تا آنکہ ایک دن قوی اور ضعیف جگہ بدل لیں گے!

ان بے سرو پا تخیلات پر حقارت کی ہنسی ہنسو ہنستے جاؤ، ہنس ہنس کر عورت کے کمزور وجود کو ٹھکرائے جاؤ! یہی ہنسی ایک دن موت کا پھندا بن کر تمہارے گلے کی رگوں کو کچل دے گی، قضا کی ہچکی بن کر —— تمہارے حلقوم میں اٹک جائے گی!

یہ اس اشارے کا جواب ہے جو تم نے اپنے خط میں میرے گناہوں کی طرف کیا تھا! ——

اور کچھ سنو گے؟ ——

بیالیسواں خط

قصبہ کے ٹوٹے ہوئے مکان میں ایک بڑھیا رہتی تھی، ایک دن اس کا جی چاہا کہ کھیر پکائے، دودھ لینے کے لئے اس نے اپنے بچے کو بازار بھیجا۔ بچہ دودھ لے کر آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک گرتی ہوئی پتنگ نظر آئی۔ سڑک پر بہت سے لڑکے اس پتنگ کو لوٹنے کے لئے دوڑے۔ وہ بھی دوڑا —— دودھ کا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور اس کے ٹکڑے زمین پر پڑے رہ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک رئیس کے صاحب زادے اپنی موٹر دوڑاتے ہوئے، اس سڑک پر گزرے۔ پیالہ کا ایک نوک دار ٹکڑا موٹر کے ٹائر میں گھس گیا، ٹائر کے پھٹ جانے کی وجہ سے ان کو کچھ دیر قصبہ میں ٹھہرنا پڑا وہ اپنا ٹائر درست کرا رہے تھے کہ سامنے کے مکان کے ایک دریچہ میں انہوں نے ایک حسین لڑکی کو دیکھا —— دیکھتے ہی وہ عاشق ہو گئے، کچھ عرصہ تک اس لڑکی کے ماں باپ سے سلام پیام ہونے کے بعد ان رئیس زادہ کا اس لڑکی سے نکاح ہو گیا —— اس ازدواج سے سات اولادیں پیدا ہوئیں ان سات بچوں میں سے ہر ایک، ایک نئے گھر کا چراغ بنا۔ ایک نیا خاندان دنیا میں اس سے پیدا ہوا، اس خاندان سے ایک نئی برادری پیدا ہوئی اور ایک صدی کے اندر ہی اس جوڑے کی اولاد نے چند قصبے آباد کر لئے!

اب اگر اس دن صبح کو بڑھیا کے دل میں کھیر پکانے کی خواہش پیدا نہ ہوئی ہوتی اور بجائے کھیر کھانے کے اس نے کھچڑی کھانے کا ارادہ کیا ہوتا تو نہ وہ بازار سے دودھ منگاتی، نہ رئیس زادے کے موٹر کا ٹائر خراب ہوتا، نہ اس کا نکاح قصبہ کی اس لڑکی سے ہوتا، نہ سات اولادیں ہوتیں، نہ سات نئے گھر آباد ہوتے، نہ سات خاندان ہوتے، بڑھیا کی ذرا سی خواہش نے دنیا کی آبادی میں کتنا اضافہ کر دیا؟ ——

خان صاحب کی بیوی بہت تنگ مزاج اور ضدی تھیں، خاں صاحب کا مزاج بھی نازک اور جلد مشتعل ہوتا تھا، گھر میں صبح کی چائے کے وقت ماما نے مکھن کی گولی نالی میں گرا دی۔ بیگم صاحبہ نے غصہ کی حالت میں ماما کے دو طمانچے مار دیے۔ ماما نے اپنے شوہر سے شکایت کی، شوہر خاں صاحب سے شکوہ کرنے آیا، خان صاحب صبح کی چائے پر مکھن نہ ملنے کی وجہ سے بد مزاج ہو رہے تھے، انہوں نے ماما کے شوہر کے گھونسہ مار دیا، اس کی تلی پھٹ گئی اور خان صاحب قتل کے الزام میں ماخوذ ہو گئے اور سات برس کے لئے جیل خانے گئے، بیوی اس صدمہ میں مر گئیں! —— جائیداد قرضہ میں نیلام ہو گئی! ——

آج نہ خان صاحب کا کوئی یاد کرنے والا باقی ہے نہ ان کی بیوی کی قبر پر چراغ جلانے والا!

اور بات صرف اتنی تھی کہ صبح کو مکھن کی ایک گولی نالی میں گر گئی تھی، وہ مکھن اگر اس دن نالی میں نہ گرا ہوتا تو شاید یہ خاندان اس طرح تباہ نہ ہوتا! ——

ایک مٹھی بھر خاک، ایک چیونٹی، ایک مچھر، ایک تنکا، ایک چلّو پانی، درخت کا ایک پتہ، پھول کا ایک کانٹا، ایک خفیف سی خواہش، ایک ذرا سا وہم، بڑے سے بڑے واقعات اور بڑے سے بڑے نتائج کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ ہر روز ایک معمولی واقعہ کے بطن سے اکثر خوفناک واقعات اور خون ریز انقلابات پیدا ہوتے ہیں سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں، شہنشاہوں کے تخت لٹ جاتے ہیں! چڑیا کسی درخت کا ایک بیج لے کر اڑتی ہے، کسی بیابان اور ویرانے میں وہ بیج اس کی چونچ سے نکل کر زمین پر گرتا ہے، ہوا کا ایک جھونکا اس بیج پر ایک مٹھی بھر خاک ڈال دیتا ہے، بادل سے پانی کے چند قطرے اس بیج پر گر جاتے ہیں! پچاس برس بعد اس بیابان میں سیکڑوں میل تک ایک گھنا جنگل چرندوں پرندوں اور درندوں کا مسکن ہوتا ہے! —— کس کو خبر ہے کہ اس ویرانہ میں وہ پہلا بیج کیونکر آیا تھا؟ اس ابتداء اور اس انتہا کے تفاوت کو دیکھو!

اسباب و نتائج کا یہ سلسلہ کس قدر خوفناک، اور کس قدر دلچسپ ہے پھر غور کرو کہ ہمارے ہر سانس

کے ساتھ یہ اسباب پیدا ہوتے ہیں! ـــــ ایسے خفیف کہ ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی! ـــــ لیکن ایک ہی دن میں یا سو برس میں ان اسباب سے ایسے نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے مورخ کی تاریخ کے ہزاروں صفحات بھر جاتے ہیں ان صفحات کا آغاز ایک ذرا سا نقطہ ہوتا ہے مورخ بھی نہیں جانتا کہ جو واقعات وہ لکھ رہا ہے ان کا سرچشمہ کہاں تھا ذرا سوچو کہ ہماری تمہاری زندگی کس قدر تاریک ہمارے تمہارے اختیار سے کس قدر باہر اور فہم و ادراک سے کس قدر بالاتر ہے! اگر تم کو ـــــ اور عورتوں سے زیادہ مردوں کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں! ـــــ میرے اور اپنے تعلقات پر غور کرو! کتنی ذرا سی بات تھی کہ تم اس شب محفل میں آئے اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے میرے قریب بیٹھ گئے پھر کتنی ذرا سی بات تھی کہ میرا جلتا ہوا سگریٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا اور تم نے اس کو اٹھا کر مجھے دے دیا۔ بہر حال اگر اس شب کو جس کمرہ میں محفل جمی تھی وہ کمرہ اس قدر تنگ نہ ہوتا۔ اگر میرا سگریٹ میرے ہاتھ سے نہ گرا ہوتا اور اس طرح مجھ سے اور تم سے بیگانہ وار چند باتیں نہ ہوئی ہوتیں تو گذشتہ دو برس میں میری تمہاری زندگی میں جو زلزلہ آتا رہا ہے وہ کیسے پیدا ہوتا! خدا جانے میں کہاں ہوتی اور تم کہاں ہوتے۔ اس شب کو نہ تم مجھ پر عاشق ہونے کا ارادہ کرکے آئے تھے، نہ مجھے اس وقت چاہنے والوں کی تلاش تھی۔ تم نے بھی ایسی ہزاروں محفلیں دیکھی تھیں اور میں بھی بہت سی محفلوں میں اپنے حسن کا اشتہار دے چکی تھی۔ گو میں اس دنیا میں اس وقت بالکل نئی تھی اور اس پیشہ کے راہ و رسم سے بخوبی واقف نہ تھی تاہم اس چند منٹ کی ملاقات کے بعد بظاہر کوئی وجہ نہ تھی کہ میں تم کو یاد رکھتی۔ اس شب کی مختصر ملاقات کے بعد چند روز تک میں اپنے پیشہ میں مشغول رہی اور غالباً تم بھی اپنے تعیش میں مصروف رہے۔ دوسرے دن صبح کو ـــــ بلکہ اسی شب محفل برخواست ہونے سے پہلے ہی! ـــــ بھول گئی تھی کہ تم کون ہو اور کون تھے! ـــــ مگر ـــــ وہ بیج جو اس محفل سے کوئی پرندہ لے کر اڑ گیا تھا عرصہ تک ایک ویرانے میں پڑا رہا۔ اور ہم تم اس کے نشوونما سے بالکل بے خبر رہے، لیکن کہیں کوئی باغبان تھا جو اس بیج کی سیوا کرتا رہا۔ ہم کو خبر نہ تھی مگر مزرعہ حیات میں وہ تخم اپنی جگہ پیدا کرتا رہا۔ ـــــ آج اس کی شاخیں صحرا میں جھوم رہی ہیں جہاں ایک سانس کے لئے ہوا نہ تھی، وہاں اب آندھیاں چل رہی ہیں! ـــــ کیا خبر ہے، کیا ہونا ہے؛ محبت و الفت کی آبادیاں آباد ہوں گی یا مایوسیوں اور مجبوریوں کے شعلے بھڑک کر اس جنگل کو جلا ڈالیں گے! ـــــ کون بتا سکتا ہے کہ اس سرسبز درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ہم تم زندگی گزاریں گے۔ اس کی گھنی شاخوں میں اپنے لئے کوئی آشیانہ بنائیں گے یا کسی دن ایک آندھی ایسی آئے گی کہ وہ درخت جڑ سے اکھڑ کر ہمارے سر پر گرے گا، اور اس کے پتے ہماری کچلی ہوئی لاشوں پر ایک سبز چادر ڈال دیں گے ـــــ کوئی کیا جانے؟

تم اپنے عشق کی بانسری بجائے جاؤ میں اپنے حسن کا نغمہ سنائے جاؤں! جو کوئی اس بساط زندگی پر اپنا کھیل کھیل رہا ہے، وہ جس طرح چاہے گا اپنے مہروں کو چلاتا رہے گا! ـــــ ہم کیا جانیں؟

تینتالیسواں خط

اچھا ہوا تم چلے گئے، تم کو چلا ہی جانا چاہیئے تھا! ـــــ یہ بھی اچھا کیا کہ مجھ سے مل کر نہ گئے۔ دوستوں سے رخصت ہوتے وقت میں بہت بزدل ثابت ہوتی ہوں، درحقیقت ہر ایسی شے سے جو روحانی کوفت پیدا کرے میں ڈر کر بھاگا کرتی ہوں۔ یہ میری فطری کمزوری ہے، میں تکالیف کا مقابلہ کرنے سے گھبراتی ہوں۔ جب کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آنے والا ہوتا ہے جس سے میں سمجھتی ہوں کہ مجھے روحانی تکلیف پہنچے گی تو میں حتی الامکان اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی ہوں اور اگر کوئی ایسا واقعہ پیش ہی آجائے تو پھر اس کی یاد کو، . . . . . . اس کی خلش کو، اپنے دل سے بھلانے اور مٹانے کے لئے نئے نئے مشغلے پیدا کرتی ہوں۔ ان مشاغل میں اپنے کو اس طرح غرق کر دیتی ہوں کہ تصور میں بھی اس واقعے کے آنے کی گنجائش نہ رہے۔ اپنے حافظے کے تمام دروازوں کو بند کر دیتی ہوں جیسے کوئی تنہا عورت، چوروں کے ڈر سے رات کو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتی ہو،

باوجود اس دربندی کے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی چور میرے گھر میں کود ہی آتا ہے اور اس حالت میں پوری شب، اگر میں تنہا ہوں، ورنہ چند لمحے ضرور ایسے گزرتے ہیں کہ میری ہر سانس گویا موت کی ہچکی ہوتی ہے ـــــ اس کشمکش میں ہزاروں راتیں اور ہزاروں دن گزر گئے ہیں! میں ہنوز زندہ ہوں، میری کارواں سرائے میں مسافر آتے ہیں، ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، بہت ایسے ہوتے ہیں جو جا کر کبھی نہیں آتے مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو لوٹ لوٹ کر آتے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو اس کارواں سرائے کو اپنا گھر بنا لینا چاہتے ہیں! ـــــ ان میں سے ایک تم بھی ہو، خبر نہیں تم اس حقیقت سے واقف ہو یا نہیں کہ میں تم سے ڈرتی ہوں۔ تمہارا وجود مجھے خوفناک معلوم ہوتا ہے۔ جب تم میرے سامنے ہوتے ہو تو ایک چور میرے دل میں گھسا ہوتا ہے! ـــــ میں اپنے قدموں کو بہکتا ہوا پاتی ہوں! ـــــ اپنے دل و دماغ کو بھٹکتا ہوا محسوس کرتی ہوں۔ اور جب تم چلے جاتے ہو تو خوف کا ایک سیاہ پردہ میرے دل سے اٹھ جاتا ہے۔ سمجھتی ہوں کہ خطرہ تو ہے مگر مجھ سے بہت دور ہے۔ میرا عجب حال ہے، دریا میں رہتے ڈرتی ہوں، اور ساحل پر جانے سے گھبراتی ہوں، دریا میں نہنگ اور ـــــ ساحل پر شیر، بھیڑیئے! کدھر جاؤں ـــــ ؟ کہاں جاؤں؟ ـــــ اے میرے خدا!

رات کو جب میرا خریدار اپنے نفس کے تقاضوں سے فارغ ہو کر سو جاتا ہے۔ میری آنکھیں، اس وقت کمرے کی تاریکی میں روشنی کے ایک ذرا سے نقطے کو تلاش کرتی ہیں۔ میرے کان جوانی کے کسی بھولے ہوئے نغمہ کا انتظار کرتے ہیں! میں ہمہ تن خوف و ہراس، ہمہ تن انتظار ہوتی ہوں، سونے والے کے خراٹے سنتی ہوں، اور اس سے الگ اپنی دنیا میں، کبھی زندگی ڈھونڈتی ہوں، کبھی موت: اس سانس گھونٹنے والی خاموشی اور تاریکی میں صرف، ایک گھڑی کی آواز میرے بستر کے سامنے طاق پر سے آتی ہے: "ختم ـــــ ختم! ـــــ ختم! ـــــ جوانی ختم! عشق جوانی ختم!! امیدیں ختم سب ختم سب ختم! ـــــ محبت کی آواز جو ازل سے ابد تک پھیلی ہوتی ہے ـــــ اور وہ مسرت جاوداں جو عورت کی روح میں اپنا گھر بناتی ہے ـــــ سب ختم!" ـــــ گھڑی کے اس قول فیصل میں کبھی کبھی میرے پہلو میں سونے والے عیاش کے بلند اور بھیانک خراٹوں کی آواز بھی شامل ہو جاتی ہے ـــــ ختم، ختم ـــــ بالکل ختم!!؟ ـــــ

صبح ہو جاتی ہے، میں اپنا منحوس منہ چھپا کر دوسرے کمرے میں بھاگ جاتی ہوں تاکہ میری لٹی ہوئی صورت دیکھ کر وہ دیو بدمزہ نہ ہو جائے اپنے پلنگ میں تھک کر سو جاتی ہوں! ـــــ اور معلوم نہیں وہ کس وقت جاگتا ہے اور اپنے گھر چلا جاتا ہے، ـــــ لیکن جب کبھی تم میری کارواں سرائے میں شب بھر کے لئے آجاتے ہو تو گھڑی کی آواز کچھ بدل جاتی ہے، وہ "ختم، ختم" نہیں کہتی، "کل، کل، کل" کہے جاتی ہے ـــــ رات بھر کہے جاتی ہے! میرے دل میں اس کی آواز ایک بے معنی خوف پیدا کرتی ہے، کوئی میرے کان میں کہتا ہے، ـــــ "اس اندھیری رات کی صبح کیا ہوگی؟ ـــــ کل کیا ہونا ہے، کل کیا ہونا ہے؟"

وہ مسافر جو رات بھر میری کارواں سرائے میں ٹھہر کر صبح کو رخصت ہو جاتا ہے، میری کتاب زندگی کے صفحہ پر ثبت لکھتا ہے اور چلا جاتا ہے ـــــ مگر تم ـــــ مگر تم ـــــ مجھے ڈراتے ہو، خوف میرے دل میں پیدا کرتے ہو، میں رات بھر لرزتی ہوں اور صبح کو تمہارے پہلو سے نکل کر بھاگ نہیں سکتی! تم میری زندگی کے کسی صفحے پر ثبت نہیں لکھتے، ساری کتاب کے اوراق منتشر کرکے ڈال جاتے ہو، تم چلے جاتے ہو اور میں بیٹھی ہوئی ان بکھرے ہوئے اوراق کو سمیٹا کرتی ہوں۔

اچھا ہوا تم چلے گئے، اپنی مکتوب نویسی کو اپنے عاشقانہ مشاغل کا کفیل سمجھو، کبھی کبھی مجھے خط لکھا کرو، میں جواب لکھا کروں گی!

چوالیسواں خط

کوئی میرے دروازے پر دستک دے رہا ہے، آدھی رات کی تاریکی میں یہ کون ہے جو میرے گھر میں آنا چاہتا ہے؟ —— کیوں آنا چاہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ —— کون ہے؟ کون ہے!

آجا، آجا، اچھا آجا! کیا کہتا ہے؟ کہہ دے! —— خواب گاہ کے ایک گوشے سے ایک برہنہ جسم میری جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ میں خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی، پسینہ میں تر ہو گئی، میرا خریدار جس کی گود میں میں نیم برہنہ پڑی تھی، شراب کے نشہ میں مدہوش تھا، وہ نہ کچھ سن سکتا تھا نہ دیکھ سکتا تھا —— پسینے کے قطرے میری پیشانی سے ٹپک رہے تھے —— اور وہ برہنہ انسان میری طرف بڑھتا آتا تھا ——

ارے تو کون ہے؟ —— ارے تو اندھا ہے، دیکھتا نہیں میں ننگی ہوں، میں خلوت میں ہوں،

ایک ہلکی، شیریں اور دھیمی آواز میں جواب ملا۔

میں فرشتہ ہوں، آسمان سے گرایا گیا ہوں، میں نے خدا سے بغاوت کی ہے، آسمان کے پہرہ داروں کو حکم دیا گیا ہے کہ میں آسمانی سلطنت میں قدم بھی نہ رکھنے پاؤں۔"

"تو کیوں نکالا گیا ہے؟ —— تو یہاں کیوں آیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جب میں خدا کی عدالت میں پیش ہوا، میرے ساتھ اور بھی چند فرشتے ملزم تھے، ہم سب پیش کئے گئے، ہم نے کہا، اے خدا، ہم تیری خود مختاریوں کو برداشت نہیں کر سکتے، ہم تیری مطلقیت کو گوارا نہیں کر سکتے، تو کسی کی رائے نہیں سنتا، جو تیرے جی میں آتا ہے کئے جاتا ہے۔ کام بگڑتے ہیں اور تو بگاڑے جاتا ہے۔ ہم تیری خود مختاری نہیں دیکھ سکتے۔ ہم کو اپنی حکومت میں حصہ دار بنا! مقربین نے خوشامدیوں نے خدا سے کہا: "یہ سب تیرے فرشتے تجھ سے باغی ہو گئے ہیں، اے کردگار! آسمان کی حکومت میں یہ حصہ دار بننا چاہتے ہیں، انہوں نے تیرے خلاف باغیانہ سازش کی ہے۔" حکم ہوا کہ ان سب کو نکال دو، اس دنیا میں بھیج دو، جہاں عورت ہوتی ہے، یہ سب آگ ہی آگ ہیں، ان کی آگ میں کچھ مٹی شامل ہونی چاہیئے! —— لے جاؤ —— ان باغیوں کو، اور ان سے کہو کہ اپنے وجود میں دنیا کی کچھ مٹی ملا لیں —— کسی عورت کے پاس جائیں وہ ان کے خمیر کو درست کر دے گی!"

"پھر کیا ہوا؟" میں نے حیران ہو کر سوال۔

"پھر ہم آسمان سے گرا دیئے گئے۔ ہمارے پر اکھیڑ لئے گئے ہمارا لباس نور ہم سے چھین لیا گیا، اب ہم اس جنس کی تلاش میں ہیں جس کو عورت کہا جاتا ہے! —— کیا تو عورت ہے؟"

بہت ہلکی ہوا میں چنار کے پتوں سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، وہی اس ننگے فرشتے کی آواز تھی۔ وہ میری طرف بڑھتا آتا تھا اور ایک ہی سوال کئے جاتا تھا —— "کیا تو عورت ہے؟" میں خوف کے مارے دم بخود تھی۔ اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، میں کانپنے لگی، پھر اس نے کہا، "کیا تو عورت ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا "ہاں میں عورت ہوں؟"

"میرے آتشیں وجود میں کچھ مٹی ملا دے —— اے عورت! —— میں نے خدا سے بغاوت کی ہے!" اس نے کہا،

میں نے اپنے ساز کے ٹوٹے ہوئے تاروں پر انگلی رکھ کر ایک بھولا ہوا نغمہ چھیڑا، اس نے کہا، "نہیں۔ یہ آسمان کا راگ ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اس کو سنتے سنتے تھک گیا ہوں! —— مجھے اپنی دنیا کی ایک راگنی سنا دے!"

میں نے جو سب سے زیادہ ٹوٹا ہوا تار تھا، اس پر انگلی رکھ دی، فرش پر دو زانو ہو کر اس نے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا —— ٹوٹے ہوئے تار سے ایک نغمہ نکلنا شروع ہوا، دھیما دھیما، ہلکا ہلکا، کمرہ کی ہوا میں ایک لرزہ پیدا ہوا —— وہ جھومنے لگا —— "ہاں یہی، ہاں یہی، ہاں ہاں یہی" وہ کہے جاتا تھا: —— بجائے جا، بجائے جا! اے عورت! اپنے ٹوٹے ہوئے تار کو بجائے جا، آسمان والوں کی موسیقی سے یہ نغمہ بہتر ہے! —— بہت بہتر ہے! —— سرود جنت سے بھی زیادہ دلکش، —— تیرے ٹوٹے ہوئے تار کی آواز —— بجائے جا!

خوف میرے دل سے نکل گیا، میں اپنے ٹوٹے ہوئے تار کی موسیقی میں محو ہو گئی وہ کبھی میری گود میں، کبھی فرش پر لوٹ رہا تھا۔ اس کے جسم سے ایک مہک آ رہی تھی، جیسی کہ کبھی اپنی عمر میں میں نے نہ سونگھی تھی! —— کب تک یہ عالم رہا، کب تک میں بجاتی رہی اور وہ لوٹتا رہا —— مجھے خبر نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ محلہ کی مسجد میں مؤذن صبح کی اذان دے رہا تھا کہ اس فرش پر تڑپتے ہوئے جسم سے ایک شعلہ بلند ہوا اور اس شعلہ سے ایک آواز آئی: "اے عورت! تو میری ہے؟ —— میں پھر آؤں گا" —— میری آنکھیں بند ہو گئیں! ——

آج صبح رات کے اس عجیب تماشے کو اپنے دل میں دوہرا رہی تھی، اور سوچ رہی تھی کہ کیا تعجب ہے کہ یہ مرد جو دنیا میں عورت پر حکومت کرنے کا دعوی کرتے ہیں، آسمان سے نکالے ہوئے باغی فرشتے ہوں، جو یہاں آ کر شیطان کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں! تو کیا ان باغیوں کی بغاوت کا علاج صرف عورت ہی ہے؟ ساتویں آسمان پر ان سرکشوں کی بغاوت کا کوئی علاج ممکن نہ ہوا کہ ان کو اس بستی کو تباہ کرنے کے لئے عورت کے گلے کا ہار بنا دیا گیا ہم صرف اسی لئے ہیں کہ اپنی مٹی ان کی آگ میں ملائے جائیں؟ کوئی اور کام ہمارے سپرد کیا گیا ہوتا کوئی اور فرض ہمارے ذمہ ڈالا گیا ہوتا کوئی اور مشغلہ ہمارے سپرد کیا گیا ہوتا! —— آسمان کے باغی ہماری گودوں میں کیوں اتارے جاتے ہیں؟ ——

پینتالیسواں خط

کیوں مجھ سے شکایت کرتے ہو کہ میں تمہیں بھول گئی —— میں تمہیں نہیں بھولی، —— نہ بھول سکتی ہوں، عورت بھولا نہیں کرتی، عورت جب تک یہ نہ بھول جائے کہ وہ عورت ہے اس وقت تک وہ کچھ نہیں بھولتی، اس کی زندگی کے واقعات کا ہر نقش —— ہلکا ہو یا گہرا، اس کے قلب پر محفوظ رہتا ہے۔

دہقان کی بیوی جو دن بھر کچے ہاتھوں پر گوبر جمع کرتی ہے۔ دن بھر کھیتوں میں مویشی چراتی ہے، بیلوں کو گاؤں کے کنوئیں پر نہلاتی ہے!

غریب گھر کی بیوہ، سہاگن، جو برتن مانجھتی ہے، مسالہ پیستی ہے، روٹی پکاتی ہے۔

مفلس و نادار بڑھیا جو اجرت پر کپڑے سی کر اور آٹا پیس کر اپنا پیٹ پالتی ہے!

دایہ جو پانچ روپیہ مہینہ پر امراء اور اہل دُوَل کے بچوں کی خدمت کرتی ہے۔

ترکاریاں بیچنے والی۔

بچوں کو پڑھانے والی استانی۔

محلوں کی بیگم، زر و جواہر کی شیدائی، عیش و عشرت کی پروردہ۔

علم و ہنر والی خاتون، جو اخبارات و رسائل میں مضامین لکھتی ہے۔

تہذیب مغرب کی سوتیلی بیٹی جو رنگین تتلی کی طرح باغوں اور گلزاروں میں اڑتی پھرتی ہے اور شمع کی طرح محفلوں اور انجمنوں میں مردوں کو ذوق نظر عطا کرتی ہے۔

سیاسی خاتون —— شریمتی دیوی —— جو کھدر پہن کر جلسوں میں تقریریں کرتی ہے۔

تھیٹر کی ایکٹرس جو ہر شب کو تماشائیوں کے سامنے اپنا جلوہ صد رنگ پیش کرتی ہے۔

اور سر بازار بیٹھ کر عصمت فروش لیلیٰ۔

ان سب کو جب تک اپنا عورت ہونا یاد رہتا ہے، اس وقت تک زندگی کے ناہموار راستہ کا ایک ایک ذرہ یاد رہتا ہے! عورت کی زندگی اس لئے تلخ ہوتی ہے کہ وہ بھول نہیں سکتی، مرد اسی لئے زیادہ مطمئن اور بے پرواہ ہوتا ہے کہ رات کی بات صبح کو آسانی بھول جاتا ہے! شب بھر اپنے عیش کی عمارت بناتا ہے اور صبح کو ایک ٹھوکر سے اس کی دیواریں گرا کر اپنا راستہ لیتا ہے! درحقیقت مرد فطرتاً خانہ بدوش ہے اور عورت وطن پرست، مرد ہر جگہ اپنا گھر بنا لیتا ہے، ہر جگہ اپنا دل لگا لیتا ہے اور عورت جس دیوار کے سائے میں بیٹھ جاتی ہے، پھر اٹھ نہیں سکتی، وہیں سے اس کا جنازہ اٹھتا ہے اور اگر اٹھ بھی جائے تو عمر بھر اس دیوار کے سائے کو نہیں بھولتی! باغوں میں رہتی ہے، محلوں میں جلوہ ریز ہوتی ہے، سمندروں کے طوفان دیکھتی ہے، بیابانوں میں گزرتی ہے! اور پھر اسی دیوار کے سایہ کو تلاش کرتی ہوئی آتی ہے! ـــــ بھول نہیں سکتی، تا آنکہ اس کو وہ نیند نہ آ جائے جو دنیا کی ہر چیز کو بھلا دیتی ہے۔

عورت اور مرد کی فطرت کا یہ بہت بڑا فرق ہے، مرد بہت کم سوچتا ہے، بہت کم سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی یاد نہیں رکھتا، وہ اپنے حاکمانہ اقتدار کے نشہ کی حالت میں عورت کی فطرت کا مطالعہ بھی غیر ضروری سمجھتا ہے! ایشیا کے دو بڑے مذہبوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا غلام بنا دیا ہے ـــــ پھر کیوں وہ غلاموں کے حال کی جستجو میں اپنا وقت ضائع کرے۔ غلام آخر غلام ہی ہیں! ـــــ

چیلا اپنے گرو سے سوال کرتا ہے اور جواب پاتا ہے!

"اے گرو! ہم عورتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں؟"

"ان کی طرف ہرگز نہ دیکھ آنند!"

"اور اگر باوجود احتیاط کے ہم ان کی طرف دیکھنے سے باز نہ رہ سکیں؟"

"تو آنند! تو ان سے بات نہ کر"

"اور اگر اے گرو، ہم ان سے بات بھی کر لیں؟"

"تو پھر اے آنند! تو اپنی فکر کر"

ایک دوسرے مذہب کے شارح نے تو یہاں تک طے کر دیا کہ:

"خدا کی لعنت ہے: جنس پر، تم شیطان کے آنے کا راستہ ہو، تم خدا کی تصویر (یعنی مرد) کو تباہ کر دیتی ہو"

اسلام نے عورت کو کچھ زیادہ حقوق دیئے، مگر وہ بھی چند روزہ بدبخت سلطنت کے اسلامی تاجداروں نے ضبط کر لئے اور ابتدائی نصف صدی کے بعد ہی مسلمان عورت بھی مرد کی ہمہ گیری کا شکار ہو گئی، تمام مذاہب کے ایسے اقوال جمع کرنا چاہتی ہوں تاکہ تمہیں بتا سکوں کہ کس طرح گذشتہ پانچ ہزار برس میں خدا کی مخلوق کے نصف حصے کو دوسرے نصف نے اپنا غلام بنایا، مٹایا، شمار سے باہر کر دیا، مرد اپنے کو خدا کی تصویر اور عورت کو شیطان کے آنے کا راستہ سمجھتا ہے ـــــ زندگی کے سمندر میں عورتیں گندی مچھلیاں ہیں!

کاش کہ مرد، جو علم و فضل کا سب سے زیادہ کم فہم مدعی ہے، چند لمحے عورت کی نفسیات کا مطالعہ کرنے میں گزارے! ـــــ صرف چند لمحے جو "صنف اعلیٰ" کے قدیم تعصبات سے پاک ہوں۔

چھیالیسواں خط

تین مختلف قسم کے انسان ہوتے ہیں! ان کے دماغوں کی تین مختلف کیفیات ہوتی ہیں:

۱۔ "یوں ہونا چاہیئے!"

۲۔ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے!"

۳۔ "اے کاش کہ"

وہ شخص دنیا کا فاتح ہے جو اپنے دل کی خواہشوں کو "یوں ہونا چاہیئے" کے گہوارہ میں پرورش کرتا ہے۔ وہ دلیرانہ قدم اٹھاتا ہے اور ہر کام جو کرتا ہے اس کے کرنے سے پہلے طے کر دیتا ہے کہ "یوں ہونا چاہیئے" ـــــ اسباب اور سامان سے وہ بحث نہیں کرتا، نتائج کی وہ پروا نہیں کرتا، وہ خون بہانے کے لئے اپنی تلوار بے نیام کرتا ہے اور کہتا ہے "یوں ہونا چاہیئے" وہ دنیا کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ممالک فتح کرنا چاہتا ہے اور یہ کہہ کر قدم اٹھاتا ہے کہ "یوں ہونا چاہیئے"۔ وہ علم و فضل کے میدان میں مخلوقِ خدا سے خراجِ عقیدت وصول کرتا ہے۔ ـــــ اس طرح وہ گویا اس کا مستحق ہے، وہ حکومت کرتا ہے، نئی سلطنتیں قائم کرتا ہے! تاجِ شاہی دوسروں کے سروں سے اتار کر اپنے سر پر رکھ لیتا ہے، سپہ سالاری کی تلوار اپنی کمر سے باندھ لیتا ہے، ملکوں اور قوموں کی ہستی کو زیر و زبر کر دیتا ہے اور جب دنیا اس کے کارناموں کو حیرت اور احترام کی نظر سے دیکھتی ہے تو وہ اپنی شان میں دنیا کے قصیدے اور گیت انتہائی بے پروائی کے ساتھ سنتا ہے اور اپنی زندگی کی ہر تازہ کامیابی سے محض یہ کہہ کر قطع نظر کر لیتا ہے کہ "یوں ہی ہونا چاہیئے" جس بات کو وہ یوں کہتا ہے کہ "یوں ہونا چاہیئے" وہ اسی طرح ہو جاتی ہے۔ اپنے دعویٰ کی نفی سے اس کے کان نا آشنا رہتے ہیں وہ ایک سیلاب کی طرح بہتا چلا جاتا ہے، اپنے سامنے ہر چیز کو بہائے لئے جاتا ہے، زمین کا جگر چیرتا چلا جاتا ہے، کاٹتا چلا جاتا ہے! ـــــ اور اسی شان سے وہ سمندر سے جا کر ٹکراتا ہے!

مگر وہ جو ہر بات پر کہہ دیتا ہے کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے" وہ اس سمندر سے ٹکرانے والے سیلاب کے مقابلے میں کسی گاؤں کا ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے اندر وہی چند مینڈک رہتے ہیں جو ہمیشہ سے رہتے چلے آئے ہیں، جس کے کنارے گاؤں کے وہی چند بیل اور چند سور پانی پینے آئے ہیں جو ہمیشہ آیا کرتے ہیں ـــــ اس کے اندر قصبہ کی غلاظت گرتی ہے تو وہ برا نہیں مانتا، اس کے پانی میں غلیظ جانور آ کر نہاتے ہیں تو وہ پرواہ نہیں کرتا اور ہر واقعہ کے بعد "یوں ہی ہوا کرتا ہے" کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے ـــــ وہ شکایت نہیں کرتا ـــــ وہ درحقیقت محسوس ہی نہیں کرتا۔ یہ شخص اپنے اندر کوئی حس نہیں رکھتا، نہ کامیابی اس کو مسرور کرتی ہے، نہ ناکامی مغموم۔ وہ کامیابی اور ناکامی کا فرق ہی نہیں سمجھتا، جس کا خون رگوں میں سرد ہو گیا ہو، جو تلوار اٹھانے کا جذبہ ہی نہ رکھتا ہو وہ زخم کی لذت کو کیا جانے، خواہشیں اس کو نہیں ستاتیں، امیدیں اس کو تنگ نہیں کرتی، ارادے اور خیالات اس کے سکون کو متحرک نہیں کرتے! ـــــ وہ سانس لیتی ہوئی ایک قبر ہے اور اس کے خیال میں صرف تنفس ہی سے زندگی عبارت ہے! وہ اپنے خیال میں کچھ اتنا مطمئن ہے کہ اس کی نیند کو صبح کی تمنا خراب نہیں کرتی، اور اس کی صبح کبھی اس کے لئے کوئی نیا تحفہ نہیں لاتی! اس کا تالاب اس کی خاموش دنیا ہے، سمندر اس کے وہم و گمان سے بھی باہر ہے، اس کے تالاب کا طوفان بس اتنا ہے کہ اگر گاؤں کا کوئی لڑکا کنارہ پر کھڑا ہو کر ایک سنگریزہ پھینک دے تو پانی کی سطح پر چھوٹے چھوٹے چند دائرے بن جائیں۔

اپنے قلب کی حرکت کو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر دھیما رکھتا ہے کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے" بے عملی اور بے حسی کے اسی منتر سے اس کی روح آسودہ رہتی ہے، کم فرصتی کی فکر سے بے نیاز اور امروز و فردا کی کشمکش سے آزاد!

"اے کاش کہ" کی آواز آتی ہو! اپنی پیدائش سے دم آخر تک وہ "اے کاش کہ" میں مبتلا رکھے اور ہر طرف اسی طرح سینہ کوبی کرتا ہوا گزر جائے "اے کاش کہ" "اے کاش کہ" ان دو لفظوں میں وہ اپنی زندگی کا پورا فلسفہ بیان کر دے۔ اس کی ہر صبح اور ہر شام کا عنوان بھی دو لفظ ہوں، اس کی کتاب زندگی کی ہر سطر ان ہی دو لفظوں کی تفسیر ہو: وہ منزل تلاش نہ کرے، منزل کا سکون و آرام تلاش نہ کرے ـــــ وہ مسلسل اور کبھی نہ ختم ہونے والا سفر چاہتا ہے ـــــ حرکت چاہتا ہے ـــــ انتہا اور خاتمہ نہ چاہے! ـــــ ہمیشہ آغاز اور دورانِ کار چاہے۔ اس کی زندگی ایک مسلسل آواز ہو، مسلسل حرکت ہو، مسلسل ہیجان ہو! وہ ہمیشہ مصروف رہے۔ عمارتیں گرائے اور بنائے، دریا خشک ہو جائیں اور وہ ان میں پانی بھرے، کھیتیاں سوکھتی رہیں اور وہ آبپاشی کرتا رہے، امیدیں بھاگتی رہیں اور وہ ان کا دامن نہ

پھڑ پھڑاتے، اور اُسے تھکتے رہیں اور وہ ان کو سہارا دیتا رہے ـــــ گرتا رہے اور سنبھلتا رہے!
ـــــ اگر کبھی اس کے حوصلے سست بھی ہو جائیں، تو وہ ان کو جگاتا رہے، اپنی ہر خواہش پر کہے کہ
" اے کاش کہ! یوں ہوتا" زمین سے ہوائیں، ہوا سے آسمان کے ستاروں میں، آسمان کے ستاروں
کے بعد ان سے بھی بلند تر ہر بلندی کے بعد اور بلندی مانگے ـــــ کبھی چین سے نہ بیٹھے! ـــــ ناکام ہو کر
بھی کامیابیاں مانگتا رہے، "آج" پر قانع نہ ہو اور "کل" کو تلاش کرتا رہے، اس کے مذہب میں قناعت
زندگی کی نفی، سکون، موت اور خواہش اور طلب، زندگی کا جوہر ہو ـــــ

میں سراپا "اے کاش کہ" ہوں اور تم یکسر "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے"۔ ہو میں ہمہ تن حرکت ہوں
اور تم از سر تا پا جمود مطلق، کیا اچھا ہوتا کہ تم "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے" کے خانے سے "یوں ہونا چاہیئے"
کے خانے پر منتقل ہو جاتے! ـــــ طلب کی قوت تم میں بھی پیدا ہوتی، پھر میری اور تمہاری قوت ارادی
کا مقابلہ ہوتا! ـــــ اور کسی دن میرے تمہارے قضیہ کا فیصلہ ہو جاتا! ـــــ

اب تک جو ذرّی طلب تم رکھتے ہو وہ فروق کا ذب ہے ـــــ اس کے اندر آنسو ہیں، آہیں
ہیں، موجار نالے ہیں، دس بیس شکوے میں اور کچھ نہیں ہے، میں اپنے ایک دل نواز تبسم سے
تمہارے تقاضوں کو تھپک کر سلا دیتی ہوں، جب وہ تقاضے کسی طرح نہ سلائے جا سکیں، تب مجبور کر تم
ہوس کی زنجیر سے آزاد ہو!

سینتالیسواں خط

تھیئٹر کے ایک مالک و منیجر صاحب جو میرے دیدار کے بہت پیاسے رہتے ہیں اور اکثر میرے
غریب خانے پر تشریف لاتے ہیں، کل کیفِ صہبائے تند کی حالت میں بکھر گئے، مجھ سے اصرار فرمانے لگے
کہ میں ان کے تھیئٹر میں اسٹیج کی زینت بنوں، انہوں نے اپنی لڑکھڑاتی زبان سے میری نظر کے سامنے
شہرت اور قبولیت کی بہت ہی نظر فریب تصویریں پیش کیں ـــــ ہر شب کو ہزار تماشائی میرے
"فن" سے لطف اندوز ہوں گے۔ میں ان کی نظروں میں جگہ پاؤں گی، جس شہر میں پہنچ جانے گی
وہاں میں اپنے کمالات اور اپنی شہرت کے نقش قائم کر دوں گی چھ مہینہ میں سارا ہندوستان میرے
نام سے گونجتا ہوگا اور میں اپنے زمانے میں خدا جانے کیا بن جاؤں گی، میرا حسن، میرا ناچ، میری
موسیقی، دنیا میں تھیئٹر کے فن کا ایک نیا معیار قائم کرے گی اور اہل نظر میرے نام کو لے کر اکناف
عالم میں جائیں گے اور میری شہریت کی شان میں قصیدے پڑھتے پھریں گے، میں ستارہ ہوں گو ماہتاب
بن جاؤں گی اور ماہتاب ہوں تو آفتاب بن جاؤں گی ـــــ وغیرہ وغیرہ

یہ سب کچھ اور کچھ اس سے بھی زیادہ انہوں نے فرمایا! میں نے عرض کیا کہ کہاں میں گنہگار
اور کہاں آپ کا "آرٹ" اچھا، برا، ایک اپنا اسٹیج میں نے اس کو بلکے پرانے لئے بنا لیا ہے سا کی
پر صبح سے شام تک نئے نئے روپ لوگوں کو دکھاتی رہتی ہوں اور اپنے کاروبار کی کامیابی سے بالکل
مطمئن ہوں، پھر کیوں بجلی کی تیز روشنی میں آپ کے اسٹیج پر کٹ پتلی کی طرح گانوڈں اور ناچوں! ـــــ

صبر کا نہیں یارا مجھے اس ستمگر نے مارا مجھے

میں اپنی راگنی کو چھوڑ کر آپ کا راگ کیوں گاؤں، اپنے ناچ سے قطع نظر کر کے آپ کا بتایا
ہوا ناچ کیوں ناچوں؟ میں خود ہی پیدائشی ایکٹرس ہوں، اور میرا "فن" آپ کے فن سے کم نہیں!
کچھ زیادہ آزاد ہے، میری نرگس مستانہ اور میرا عشوہ تر کا عذاب بھی میرے لئے کافی وسیلۂ معاش ہے
پھر اور مجھے کیا چاہیئے؟ حسن پرست مردوں کی تعریف و توصیف سے اب بھی محروم نہیں ہوں۔ میری
فتوحات اب بھی کم نہیں ہیں، اپھر جو میں اپنے بڑے بڑے عالی مقام غلاموں کو چھوڑ کر "چار آنے والے
ٹکٹ" کے تماشائیوں کی عامیانہ دلچسپی حاصل کرنے کے لئے لکڑی کے تختوں پر مٹکتی پھروں تو مجھ سے
زیادہ بیوقوف کون ہوگا؟ بداعمال ہوں مگر بدمذاق نہیں ہوں! آپ کے بڑے بڑے ڈرامہ نویس
جو لغو، بیہودہ اور بے معنی ڈرامے لکھ لکھ کر آپ کو دیتے ہیں۔ ان سے بہتر ڈرامے لکھ سکتی ہوں، آپ
مجھ سے ایکٹ نہ کرائیے، ڈرامے لکھوائیے، خود میری زندگی میں اتنے ڈرامے کھیلے جا چکے ہیں
اور روز کھیلے جاتے ہیں کہ ان میں سے دو چار کو بھی لکھنے بیٹھوں تو آپ جیسے منیجر و مالک کمپنی بذا
کی آنکھیں کھل جائیں۔ تجارت ایک آزاد پیشہ ہے، میں آزاد ہی رہنا چاہتی ہوں۔ اپنی آمدنی میں
ایک درمیانی آدمی کو حصہ دار کیوں بناؤں؟ آپ کی تجویز کا خلاصہ تو صرف یہ ہے کہ آپ میرے حسن کے
دلال بننا چاہتے ہیں! ـــــ" بیچارے بہت خفیف ہوئے، اور خفت کی ہنسی ہنس کر بات کو ٹال گئے!

تم نے بہت سی عورتوں کو اسٹیج پر ایکٹ کرتے اور ناچتے دیکھا ہوگا۔ درحقیقت عورت کی ساری
زندگی اسٹیج کی زندگی ہے، تم نے کبھی غور بھی کیا کہ ہماری سوسائٹی میں عورت اپنی پیدائش سے موت
تک ایکٹ کرنے پر مجبور کی جاتی ہے۔ وہ ہر وقت اپنے اسٹیج پر "مالک" کے منشاء کے مطابق ایکٹ
کرتی رہتی ہے، شوہر یا باپ یا بھائی، جو چال کو چلانا چاہتے ہیں وہ چلتی ہے۔ آزادی ضمیر و عقل کا
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب ایک لڑکی گھر کی چار دیواری میں پرورش پا کر شعور کی عمر تک پہنچتی ہے
تو وہ سارے خاندان اور اس خاندان کے تمام متعلقین کی نظر کا مرکز بن جاتی ہے، اس کا اٹھنا بیٹھنا،
سونا، جاگنا سب ان تماشائیوں کی منشا کے مطابق ہوتا ہے، اس کے لئے جب ایک شوہر مہیا کیا جاتا
ہے اور ہر چیز اس کے لئے مہیا کی جاتی ہے، وہ خود اپنے لئے کچھ مہیا نہیں کر سکتی تو پھر اس کو اپنے گھر
سے نکل کر دوسرے گھر میں ایکٹ کرنا پڑتا ہے۔ خسر، ساس اور نند اور دیور یہ سب تماشائی ہوتے
ہیں۔ ان کی خوشنودیٔ خاطر کے لئے وہ وقف کر دی جاتی ہے۔ اس کا مرنا، اس کا جینا، سب ان
ہی لوگوں کے لئے ہوتا ہے، اور اگر وہ ہندوستان کی نہایت مشتبہ اصطلاح میں "تعلیم یافتہ" ہے تو
پھر جلسوں میں، پارٹیوں میں، کانفرنسوں میں۔ بازاروں میں پارک میں، اور اس تماشہ گاہ میں
جس کو "سوسائٹی" کہتے ہیں ایکٹ کرتی ہے، اس کا اسٹیج زیادہ کشادہ اور اس کا تھیئٹر زیادہ وسیع
ہو جاتا ہے، اس کے لئے ایکٹ کرنا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتی ہے کہ اس کے پاؤں میں
مردوں کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کی زنجیریں پڑی ہوتی ہیں اور اس کو اپنا ہر قدم مرد کی خواہش
اور منشا کے مطابق اٹھانا پڑتا ہے، تم کہو گے کہ عورت تو اسی حال میں خوش ہے ہاں بے شک طوطے
کے بچے کو جب تم پنجرے میں بند کر کے پالو گے اپنے ہاتھ سے اس کو کھلاؤ گے جیسا پسند کرو گے ویسا ہی
بولنا سکھاؤ گے، پنجرے کا دروازہ بند رکھو گے اور اس طوطے کی بھوک پیاس بھی تمہارے اختیار میں ہوگی
تو پھر وہ طوطا پنجرے کے دروازے کے باہر بھی آنا نہ جانے گا اور اگر تم اس کو آزاد بھی کرو تب بھی
تمہارے ہی گھر میں پھرتا رہے گا اس کے پروں کی طاقت سلب ہو چکی ہوگی، پھر اگر تم کہو کہ یہ طوطا آزاد
ہے اور کھلی ہوا میں جہاں اس کا جی چاہے اڑ جائے، تو یہ تمہاری ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے
کہ عورتوں کے اندر جو شعریت اور طاقت عمل و دلیت کی گئی وہ سب مردوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی
اور ان کی فطرت پر گذشتہ صدیوں میں آہستہ آہستہ اس قدر سخت قبضہ حاصل کر لیا کہ اب عورت
آزادی کا صحیح مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتی، جو چند عورتیں اب آزادی کا مطالبہ کرتی بھی ہیں، وہ بھی صرف
ظاہری نشست و برخواست کو آزادی سمجھ رہی ہیں، باطنی آزادی، دماغ کی آزادی اصلی آزادی ہے،
جب تک عورت مرد کی مدد کے بغیر خود سوچنے خود سمجھنے، خود اپنے دماغ سے راہ عمل پیدا کرنے اپنی
بصیرت سے زندگی کے معمول کو حل کرنے اور اپنے ضمیر کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے
قابل نہ ہو وہ آزاد نہیں، ابھی تو وہ دھوکا کھا رہی ہے۔ مرد اس کو اچھی اچھی ساڑیاں پہن کر بولنا
کرنا سکھاتے ہیں حب وطن کے وہی جھوٹے گیت ان کو یاد کراتے ہیں جن گیتوں کی آواز مردوں کے
ڈھول اور نقارے سے نکلتی ہے، وہ "تعلیم یافتہ" بنا کر ان کو جلسوں میں وہی بے معنی تقریریں کرنا
سکھاتے ہیں جیسی وہ خود کرتے ہیں، اسی قوم کا قوم پرست اور مصلح قوم بناتے ہیں جیسے وہ خود ہیں ـــــ
وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عورت کو "آزاد" کر رہے ہیں، یہ سب کھوٹے سکے ہیں جو عورت کو دیئے
جاتے ہیں، اس کو سب کچھ بنایا جاتا ہے مگر عورت نہیں بننے دیا جاتا! اچھی اچھی ساڑیاں پہنا کر، بڑے
بڑے شاندار موٹروں میں "عظیم الشان" جلسوں اور کانفرنسوں میں شاہی محلوں کے درباروں میں

عورت آگے بڑھ جاتی ہے اور مرد کا مغرور ضمیر اس کو تسلی دیتا ہے: "یہ سب تیری غلام ہیں، ان کی شہرت تیری شہرت ہے۔ ان کی نمود تیری نمود ہے جب یہ اچھے اچھے لباس پہن کر بڑی بڑی محفلوں میں اور زر و جواہر کے جسم پر چمکتے ہیں تو نام تیرا ہوتا ہے! تیری بیوی! تیری بیٹی! تیری بہن! یہ سب تیری ہی کٹھ پتلیاں ہیں، نچائے جا، ان کو سب کچھ دے مگر آزادیٔ ضمیر نہ دے، سوائے اس دروازے کے باقی سب دروازے کھول دے ان کو آزاد ہو جانے دے، یہ پھر بھی غلام ہی رہیں گی۔" مرد خود ترقیٔ نسواں کا علم لے کر کھڑا ہوتا ہے، سینکڑوں اخبارات و رسائل "صنفِ نازک کی اصلاح و ترقی" کے لئے جاری کئے جاتے ہیں، ہزاروں تقریریں کی جاتی ہیں۔ ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں اور گویا عورت کے متعلق اپنی آزاد خیالی اور روشن ضمیری کا یہ ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھو ہم عورتوں کے حقوق دے رہے ہیں! ان لمبی زبان والے مقررین اور ان تیز قلم "اہلِ قلم" کے گھروں میں جا کر دیکھئے تو ان مضامین، تقریروں اور ریزولیوشنوں کا ہلکا سا عکس بھی نظر نہ آئے گا، بھیڑیا گھر میں آتے ہی بکری کی کھال اتار دیتا ہے اور اس کی حقیقت عریاں ہو جاتی ہے "حقوقِ نسواں" کے لئے پبلک کے جلسوں میں سینہ کوبی کرنے والا گھر پر آ کر "بیوی کوبی" شروع کر دیتا ہے۔ وہاں تو کہتا ہے کہ عورت کے حقوق بھی مردوں کے برابر ہیں۔ اور شام کو گھر میں آتا ہے تو سالن میں نمک زیادہ ہو جانے کی وجہ سے وہ رکابی بیوی کے سر پر کھینچ مارتا ہے —— یہ ہے ان فریبیوں کا فریب! مرد خوب جانتا ہے کہ جب تک عورت کے دماغ پر غلامی کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس کے دل میں "صنفِ ضعیف" ہونے کا عقیدہ راسخ ہے وہ قبضہ سے باہر نہیں جاتی۔ اپنی سب بہنوں سے اور خصوصاً ان سے جو پردہ کے باہر آ کر تقریریں کرنے اور قومی "لیڈر" بننے ہی کو اپنی آزادی سمجھتی ہیں میں کہتی ہوں کہ ہم بدنصیب اس وقت تک چار و ناچار مرد کے غلام رہیں گے جب تک کہ اپنے ضمیر کو اس کے اثر سے آزاد نہ کر لیں اور اس کے تفوق سے قطعی اور غیر مشروط انکار نہ کر دیں، اگر انکار کی قوت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے تو اسی کے ساتھ عمل کی تمام قوتیں ہم کو حاصل ہو جائیں گی اور جب تک یہ نہیں، اس وقت تک ترقیٔ نسواں اور آزادی اور حقوق کی باتیں بہکائے ہوئے بچوں کی باتیں ہیں!

میں تو اپنی حالت کو دیکھتی ہوں، جب شروع شروع میں گھر سے نکلی اور بازار میں آئی تو میرے دل میں مرد کی فضیلت کا احساس بہت قوی تھا وہی میری عصمت لوٹتا تھا وہی مجھے ذلیل کرتا تھا، وہی مجھ پر ہنستا تھا اور اسی کا احسان میں اپنی گردن پر سمجھتی تھی۔ اس کی نفس پرستی مجھے طعنے دیتی تھی، میرا مذاق اڑاتی تھی اور میں اس رسوائی کو یہ سمجھ کر قبول کر لیتی تھی کہ میں اسی قابل ہوں! مرد کی تمام بدکاریوں کے بعد بھی میں اپنے کو اس سے زیادہ بدکار سمجھتی تھی، لیکن اس زندگی کے تجربوں نے میری آنکھیں کھول دیں اور آج میں محسوس کرتی ہوں کہ باوجود اپنی گنہگاری کے میں اب بھی انسان ہوں اور مرد حیوانِ مطلق! میرے گناہ کا وزن اس کے گناہ سے بہت کم ہے۔ میں اس کے مقابلے میں زیادہ ایمان دار اور پاک تر ضمیر رکھتی ہوں، میں گنہگار ہوں، مکار نہیں ہوں وہ مجھ سے زیادہ گنہگار ہے، موذی اور مکار بھی! اس کے قلب پر گناہوں کی سیاہی طاری ہے، میرے قلب پر خون کی چھینٹیں ہیں، زخم ہیں، ناسور ہیں میرا دل اب بھی خدا کے خوف سے کانپ جاتا ہے، مگر اس کا دل شیطان کے قبضے میں ہے اور سوائے دنیا کی بدنامی کے کسی چیز سے نہیں ڈرتا! اس کا صرف وہ عمل گناہ ہے جو لوگوں پر ظاہر ہو جائے!

مظلوم کو جب ظالم کے ظلم کا احساس ہونے لگے تو سمجھ لو کہ ظلم کے خاتمہ کا آغاز ہوتا ہے! عورت کے کانوں تک آوازیں آنے لگی ہیں، جو کچھ میں سوچتی ہوں وہی میری بہت سی بہنیں سوچ رہی ہیں! —— تم شاید اعتراض کرو۔ ہمیشہ اعتراض کیا کرتے ہو —— کہ تو باتیں تو اتنی بناتی ہے مگر خود بھی ان ہی مردوں کی خدمت کرتی ہے! جن کو تو ظالم و مکار کہتی ہے، مگر میری نسبت تمہارا یہ خیال صحیح نہیں۔ میں جو کچھ کرتی ہوں وہ میرا پیشہ ہے، مگر میرے دماغ میں الحمد للہ، مرد کے تفوق کا ذرا بھی اثر باقی نہیں۔ میں اپنے تھیٹر میں محض روٹی کمانے کے لئے ناچتی ہوں لیکن تماشہ دیکھنے والے مردوں کے اتنی ٹھوکریں مارتی ہوں کہ وہ بھی یاد کرتے ہوں گے۔ اپنے بڑے بڑے عالی مقام عشاق کو جو موٹروں میں سوار ہو کر میرے گھر آتے ہیں کتے اور چمار سے بدتر سمجھتی ہوں، جب وہ میرے حسن کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ درخواستیں پیش کرتے ہیں تو دل کو ایک عجیب تسکین حاصل ہوتی ہے میں ان کو جھڑکتی ہوں اور خوش ہوتی ہوں: ان کو ہر طرح ذلیل کرتی ہوں اور دل میں کہتی ہوں "موذی تیرا علاج یہی ہے اور جوتیاں کھائے گا!" وہ میری عصمت کی قیمت ادا کرتے ہیں، میں ان سب کو اپنے دوزخ کا ایندھن سمجھتی ہوں، جب کوئی نیا چاہنے والا آ کر پھنستا ہے تو کہتی ہوں: "آ میرے شکار میں تیرے کباب بناؤں، میری آگ بہت تیز ہے، ان انگاروں پر لوٹ، تیرا جس قدر خون جلے گا، اسی قدر میری روح تازہ ہوگی!" یہ خریدار مجھے میرے جسم ہی کی قیمت ادا نہیں کرتے بلکہ اپنی انسانیت بھی مجھے میرے جسم ہی کی قیمت ادا نہیں کرتے بلکہ اپنی انسانیت بھی مجھے دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہوں گے کہ انہوں نے بڑی فتح حاصل کی ہے، سمجھتی ہوں کہ میں نے دنیا کے موذیوں کی روح کو آلودہ کر دیا، فنا کر دیا، وہ داغ لگا دیا جو مٹ نہیں سکتا —— فتح دراصل میری ہوتی ہے!

جس دن بازارِ حسن میں میرا کاروبار بند ہو گا —— اس کے بند ہونے کی وجہ کچھ بھی ہو —— اس دن میں باغی حوا کی بیٹی بن کر اپنی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد قرار دوں گی! —— مرد کے تفوق کی بیخ کنی! —— اسی مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی ساری عمر ختم کر دوں گی!

ان خیالات اور ارادوں کے ساتھ، اگر میں تمہاری بیوی بن کر تمہارے گھر میں آ بیٹھی تو کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اس جہاد کو جاری رکھوں؟ خدا جانتا ہے کہ اس انتقام کی لذت، حجلۂ عروسی سے میرے لئے یقیناً زیادہ ہے! ——

اڑتالیسواں خط

عرصہ سے تمہیں خط نہیں لکھا، لکھ نہ سکی، ہوا کچھ دوسری طرف چل رہی ہے۔ سوچتی زیادہ ہوں لکھتی کم ہوں، کبھی کبھی مجھ پر ایک دورہ سا پڑتا ہے! جیسے کسی نے کتاب کا ورق لوٹ دیا، تمہارا اندازہ غلط نہیں، میرے موسم جلد جلد بدل رہے ہیں، آج کل ایک انقلابی اور ہیجانی کیفیت مجھ پر غالب ہے، خبر نہیں یہ کیسا انقلاب ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں سے، کس طرح پیدا ہو رہا ہے کوئی قوت ہے —— ازلی اور ابدی! جو میری باگیں ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، کوئی دور کی آواز ہے جو مجھے بلا رہی ہے، کوئی ہے جو اشارے کر رہا ہے، کوئی بھولی ہوئی موسیقی جس کی موج کہیں قوسِ قزح کے پاس پیدا ہوئی ہے، آئی ہے اور مجھ کو چھو جاتی ہے، میرے وجودِ باطنی میں ایک نئی لرزشِ حیات پیدا ہوتی ہے! جیسے بجلی کے تار پر انگلی لگ گئی ہو، ہلکے جھٹکے محسوس کرتی ہوں! جو کیفیتیں مجھ پر گزر رہی ہیں ان میں عجیب تر کیفیت یہ ہے کہ مجھے اپنی گزرتی ہوئی جوانی جو کبھی عزیز نہ تھی، کچھ عزیز ہوتی جاتی ہے، جب سے میں نے اس بازارِ حسن میں اپنی دکان لگائی، میں اپنی جوانی اور اپنے حسن کو دونوں ہاتھوں سے لٹاتی رہی ہوں، اپنے عاشقوں کے ہجوم میں میں نے اس کو مٹھیاں بھر بھر کر پھینکا ہے اور کوشش کرتی رہی ہوں کہ لوٹنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے —— یعنی جس قدر جلد میں اس متاعِ حسن سے فارغ ہو جاؤں، بہتر ہے —— جس قدر میرے حسن کی یہ عمارت پیوندِ زمین ہو جائے اچھا ہے! —— لیکن خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اب اس سرمایہ میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس کو محفوظ کرنے کی خواہش دل کے کسی ویران گوشے میں پیدا ہو رہی ہے۔ کوئی میرے کان میں کہتا ہے: "پگلی! جو کچھ باقی ہے اس کو سنبھال، کوئی مدعی آنے والا ہے جو تجھ سے اس دولت کا حساب مانگے گا، جو تو نے لٹائی ہے اس کے لئے، جو کچھ بچ سکے بچا رکھ، جب وہ آنے والا تجھ سے کہے گا، میرے لئے تیرے پاس کیا ہے! تو بتا تو اپنے بچے ہوئے گھر سے اس کے لئے کیا نذرانہ لائے گی؟ جب فاتح تیرے گھر کو فتح کرے گا تو تیرے پاس اس کے لئے کچھ خراج بھی ہو گا یا نہیں؟ تو مفلس اور نادار بن کر اس کے

پاس جائے گی؟

اپنے باغ کے لاکھوں پھول میں تقسیم کر چکی! ایک چھوٹی سی کیاری میں چند پھول جو باقی رہ گئے اب میں اپنے دل میں یہ خواہش پاتی ہوں کہ وہ کسی طرح سرسبز رہیں، مرجھا نہ جائیں! ــــ شاید یہ میرے آنے والے عہدِ پیری کا پہلا اشارہ ہے! اشرفیاں لٹا دینے کے بعد چند بچے ہوئے پیسوں کو گرہ میں مضبوط باندھنے کی خواہش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب افلاس دروازے پر دستک دیتا ہے، شاید کچھ ایسا ہی حال میرا ہے، جب تک دولت وافر تھی میں لٹاتی گئی ــــ لٹاتی گئی، اب جبکہ میرے میخانے کی سب شرابِ ناب پینے والے بلانوش پی گئے تو تلچھٹ کے ان چند قطروں کو جو خم میں باقی رہ گئے ہیں، بچا بچا کر رکھنا چاہتی ہوں، یا تو یہ بات ہے ــــ یا ــــ میں کچھ کہہ نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی، میری زندگی کی سرسبزداری میں پھولوں کی شاخیں خالی ہو چکی ہیں، میری جوانی بھاگی جاتی ہے میں کیوں اس کو واپس لانا چاہتی ہوں، میں کیوں اس کے پیچھے دوڑ رہی ہوں؟ اگر یہ عہدِ جوانی کے اختتام کی وہ کیفیت نہیں جو اکثر انسانوں میں پیدا ہوا کرتی ہے تو پھر یہ بات کیا ہے؟ شاید دبی آواز سچ کہتی ہو جو میرے کانوں میں آ رہی ہے؟ اپنی تجارت کے فروغ کے لئے جو جنس میں نے دکان پر رکھی تھی اب اس کو کسی آنے والے کے سامنے ہدیۂ محبت بنا کر پیش کرنا چاہتی ہوں تاکہ جب وہ آئے ــــ ملکِ محبت کا وہ بادشاہ ــــ تو میں اپنا ہدیۂ حقیر، اپنا حسن، اس کی تمام شعریت، اپنی جوانی، اپنی راگنی، اپنا نغمہ، اپنی روح، اپنی ساری پونجی، ایک خوان میں رکھ کر اس کے سامنے پیش کروں اور کہوں، "اے میرے راجہ! یہ مجھ فقیرنی کی نذرِ محبت ہے ــــ اس کو قبول کر، تو دیر سے آیا ــــ جب میرا سارا اثاثہ لٹ چکا! میرے خزانوں میں سے، جو کچھ باقی ہے وہ تیرا ہے ــــ اس کے بعد میرے پاس کچھ نہیں ــــ حیران ہوں کہ الٰہی! وہ کون ہوگا؟ کب آئے گا، جس کے سامنے میں اس طرح اپنی نذر پیش کروں گی اور جو اس طرح اس کو قبول بھی کرے گا، جس کے لئے میں اپنی خشک کھیتی پر پانی چھڑک رہی ہوں ــــ کس کے لئے؟ ــــ کس کے لئے؟ کوئی مجھے بتائے!

موت کے گھنٹے سے زندگی کی آواز کیوں نکل رہی ہے؟

انچاسواں خط

میرے الفاظ کم ہوا کرتے تھے ــــ مفہوم زیادہ ہوتا تھا، تمہارے الفاظ زیادہ ہوتے تھے مفہوم کم ہوتا تھا ــــ اب میرے الفاظ زیادہ ہونے لگے، مفہوم بہت الجھا ہوا ہے ــــ تمہارے الفاظ مختصر ہونے لگے مگر مطالبات زیادہ ہوتے ہیں، کچھ تم بدل رہے ہو، کچھ میں بدل رہی ہوں، کیا اسی طرح کسی دن تم میری جگہ آ جاؤ گے اور میں تمہاری جگہ ــــ یا ہم کسی وسطی نقطہ پر دونوں مل جائیں گے؟ ــــ پھر کیا ہوگا؟ جس دن تم نے قسم کھائی تھی کہ آئندہ میرے ساتھ نفسانی تعلقات نہ رکھو گے اور محبت کرنا سیکھو گے، جس طرح کہ محبت کرنی چاہیئے اسی دن میں نے بھی عہد کر لیا تھا کہ اگر تم اپنی قسم پر قائم رہے تو میں بھی چند قدم تمہاری طرف بڑھنے کی کوشش کروں گی، تم بار بار سوال کرتے ہو کہ میری رائے میں تمہاری قسم مستحکم ثابت ہوئی یا نہیں؟ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی! میں بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ جب سے تم نے لذتِ نفسانی کو میرے اپنے تعلقات سے خارج کیا، میں تمہاری دوستی میں ایک نیا لطف پاتی ہوں، ایک نئی کیفیت محسوس کرتی ہوں، وہ گناہ کی بے حجابی میرے اور تمہارے وجودِ روحانی کے درمیان بہت بڑا حجاب تھا جب سے گناہ کا دور ختم ہوا وہ حجاب بھی کم ہونے لگا، اب جو تم ملتے ہو تو تمہارے اندر وہ تعفن نہیں پاتی جو پہلے مجھے تم سے متنفر کرتا تھا طغیانی کے بعد اس کا بہاؤ صاف اور پانی تازہ ہو جاتا ہے۔ اب جو تمہارے نفس کی خواہشوں کا دریا اترا ہے تو اس میں کچھ صاف پانی آنے لگا ہے کیا یہ کسی عظیم الشان انقلاب کا پیش خیمہ ہے؟ میری زندگی میں یا تمہاری زندگی میں؟ یا دونوں کی زندگی میں؟ خدا ہی کو علم ہے! میرے تمہارے تعلقات کی ناپاکی

کا پاکی سے بدل جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہمارے گناہوں کے آغوش میں یہ کیسا انقلاب پرورش پا رہا ہے۔ فرض کرو کہ اپنی سطح سے تم واقعی بلند ہونے لگے تو کیا تم مجھے بھی کھینچ کر دلدل سے نکال سکو گے؟ کیا خبر ہے کیا ہوگا؟ ــــ لیکن میرے لئے یہ خوابِ خوش آئندہ فریب ہے عقاب جب فاختہ کو اپنے پنجوں میں دبا کر بلند ہوتا ہے تو زخمی فاختہ جو اس کے پنجوں کی گرفت سے خوف زدہ ہوتی ہے، کیا عقاب کے ساتھ بلند ہونے پر خوش بھی ہو سکتی ہے؟ اس کی وہ بلندی فنا کی بلندی ہے ــــ لیکن میں تو شاید اس پر بھی راضی ہو جاؤں۔ بقا اگر نصیب نہ ہو تو فنا بھی بری چیز نہیں، میں تو اس حال میں ہوں کہ نہ بقا میرے لئے ہے نہ فنا میرے لئے ہے! ان دونوں کے درمیان معلق ہوں، اگر زندگی نصیب نہ ہو تو موت کیا بری ہے! اس زندگی میں جس کے اندر نہ میں مرتی ہوں نہ جیتی ہوں، کام مرنے اور فنا ہونے کے کرتی ہوں اور خواہش جینے کی رکھتی ہوں! ــــ کہیں بہت دور میرے دل کی گہرائی میں، بقا کی یہ خواہش ایک بجھنے والے چراغ کی طرح ٹمٹما رہی ہے! ــــ اور باہر یہ حال ہے کہ آندھیاں آ رہی ہیں، وہ "عورت جان بلب عورت" جو میرے اندر ہے اب بھی کسی شب کی خاموشی میں، کسی دن کی تنہائی میں چپکے چپکے مجھ سے کہا کرتی ہے! "بیلی! تیری شراب سرکہ بن گئی، تیری شیرینی تلخ ہو گئی، اپنی مینا خالی کر دے کہ اس میں کوئی نئی شراب بھرے ــــ اپنی قسمت کا کوئی نیا ستارہ ڈھونڈ ــــ تو عورت ہے! ــــ تو عورت ہے تو کھلونا نہیں ہے! اپنے دل میں اس جوہر کو قائم رکھ، جو عورت کا حصہ ہے، تو محبت کر سکتی ہے، تجھ سے محبت کی جا سکتی ہے ــــ اپنی گود فطرت کے تحائف سے بھر لے، اپنے لباسِ ظاہری کو تار تار کر کے جلا دے، اور اپنے باطن کو عریانی کی دہلیز پر رکھ دے ــــ وہی تیرا مقام ہے، وہی تیرا گھر ہے ــــ تو عورت ہے، تو عورت ہے، اپنا جوڑا ڈھونڈ، اپنا ٹھکانا پیدا کر ــــ جہاں تو مر کر بھی زندہ رہے گی ــــ تو لازوال ہے، تم یاد آئے ہو! آؤ!!

پچاسواں خط

تمہیں خط کیا لکھوں، بہت مصروف ہوں ــــ آ کر دیکھ لو، اپنی ٹوٹی ہوئی کشتی کے ٹکڑے جوڑ رہی ہوں، پھٹے ہوئے بادبان سی رہی ہوں، پتواروں کی مرمت کر رہی ہوں۔ گویا کوئی بڑا طوفان آنے والا ہے، کون ایسا ملاح آئے گا جو اس ٹوٹی ہوئی ناؤ کو سنبھالے گا؟ ہوا بند ہے، فضا خاموش ہے! امڈتے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہی ہوں، ہوا چلنے والی ہے، سمندر کی موجیں بڑھتی آ رہی ہیں۔ کوئی مجھے اور میری کشتی کو ان موجوں کی طرف دھکیل رہا ہے۔ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے: "اپنی کشتی میں بیٹھ جا! رسیاں کاٹ دے! تیری کشتی کا ملاح آ گیا" میں پوچھتی ہوں "کہاں آ گیا؟ کدھر آ گیا؟ کیا وہ طوفانی ہوا کے دامن میں لپٹ کر آئے گا؟ کیا وہ بادلوں کے کاندھے پر سوار ہو کر آئے گا؟ کیا وہ موجوں کے آغوش میں لپٹا ہوا آئے گا؟ وہ کیسے آئے گا، وہ کہاں سے آئے گا؟" مگر کوئی کہے جاتا ہے "وہ آ گیا، وہ آ گیا!" میری نہیں سنتا اور کہے جاتا ہے!

اکیاونواں خط

تم نے مجھے پھر ڈھونڈھ لیا، میں مر جاؤں گی، میں فنا ہو جاؤں گی، مجھ میں سکت نہیں کہ تمہارے سامنے آؤں، میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، مجھے چھوڑ دو، بخش دو، رنگین تتلی کو ہاتھوں میں اڑنے دو۔ ہاتھ لگاؤ گے تو اس کے پروں کا رنگ اڑ جائے گا ــــ کوئی نہیں منتا ــــ کوئی بڑھا آ رہا ہے!

میری آنکھوں میں نیند نہیں، سورج کے طلوع ہونے کا انتظار ہے، میری کشتی تیار ہے! سمندر کی موجوں کا آغوش کھلا ہوا ہے! ــــ میرا ملاح آ گیا! ــــ

میرے خون سے تیری گندگی دھل جائے گی، تب تجھے سنوارنے کے لئے ڈھونڈوں گی! میری گندگی تیرے پاؤں دھو کر پاک ہوگی، زمین کھودی جاتی ہے، ملبہ اور کیچڑ کے ڈھیر لگائے جاتے ہیں، کڑیاں

کاٹی جاتی ہیں۔ پتھر توڑے جاتے ہیں۔ اینٹیں پیسی جاتی ہیں، اس تمام تخریب کے بعد مسجد تعمیر ہوتی ہے۔ اس خرابی کے اندر سے محراب و منبر پیدا ہوتے ہیں ——— میری مسجد تیار ہے، میں اس کے اندر کیوں کر قدم رکھوں؟ میں ناپاک ہوں! ———

رات بھر کے طوفانوں کے بعد صبح ہو رہی ہے، خزاں کے بعد درخت برہنہ ہو گئے تھے، بہار ان کے لئے ایک نیا لباس لے کر آ رہی ہے، اس لباس کے ساتھ زندگی کی نئی مسرتیں ہیں ——— کیا میری خزاں کو بھی بہار کا پیام آیا ہے میرے ویرانے کی شکستہ دیواریں بھی کیا پھر تعمیر ہوں گی! میری ظلمت میں یہ شعلے کیوں بلند ہو رہے ہیں؟ کون ہے جو میرے دل میں بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے؟ کون ہے؟ تم ہو! ——— تم نے کہا تھا: "تو مجھ سے بھاگتی ہے میں چھپ کر تیرے دل میں جگہ ڈھونڈھ لوں گا! تو مجھ سے محبت نہیں کر سکتی، میں تجھے محبت کرنا سکھا دوں گا" تم نے جو کہا تھا وہ کیا؟ میں کہا کرتی تھی: "میرا مرد پیدا نہیں ہوا، میرا جوڑا دنیا میں نہیں آیا ———" آج میرا مرد آ گیا، آج میرا جوڑا آ گیا، میں اس کی ہوں میں اس کے لئے ہوں، میری زندگی اس کی ہے میرا عشق اس کا ہے! ——— وہ آ گیا جس کے وجود سے میری زبان انکار کرتی ہے اور جس کو میری روح پکارتی تھی، تم آ گئے!

باونواں خط

دنیا کے ظاہر پرستوں نے میرے خطوط پر تبصرہ شروع کر دیا! ——— ان اوراق میں جو کچھ لکھا گیا اس کو زندگی کی ایک داستان سمجھا جا رہا ہے، کم نظری اور وہ بھی مرد کی ——— بہت تمسخر انگیز ہے۔ میری زندگی کی داستان کا ایک نقطہ بھی ان اوراق میں موجود نہیں، زندگی تھی کہاں جو داستان بنتی؟ میں سوتے سوتے ابھی تو جاگی ہوں۔ وہ "عورت" جو ۲۵ برس تک میرے اندر سوتی رہی اب آنکھیں مل کر پہلی انگڑائی لے رہی ہے ——— ان احمقوں نے اس پہلی انگڑائی کو ساری داستان سمجھ لیا، آغاز کو انتہا سمجھ رہے ہیں! اول کو آخر کہتے ہیں۔ تبصرہ اور تنقید کے دریا بہہ گئے

——— اس لہو کے ایک ہی قطرہ پر!!

غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے ملتمس ہوں کہ یہ جو کچھ ہے، میری داستان کا دیباچہ ہے، ایک مختصر روئداد خواب کے بعد اب بیان بیداری شروع ہوتا ہے! ——— میں اب بیدار ہوئی ہوں۔ محبت کے آغوش میں زندہ رہی تو "عورت" کی زندگی کا کچھ حال بیان کروں گی ——— پڑھنے والے "مرد" گھبرا گھبرا کر میرے آغاز کو انجام نہ سمجھیں!

چند روز اس نئی دنیا میں مجھے دم لینے دو، جس کے دروازے میرے لئے کھلتے جاتے ہیں! ——— اس ویرانہ کو آباد ہونے دو ——— مجرموں سے میرے انتقام کا وقت وہ آئے گا جب میں بیوی اور ماں بن کر بغاوت کا علم بلند کروں گی! ابھی تو میں ایک بازاری عورت ہوں! ——— ذلیل، حقیر، گردن زدنی جس شریعت کے پردے میں مرد، عورت پر جابرانہ حکومت کرتا ہے، اسی شریعت کا نام لے کر میں اس کے سارے پردے فاش کروں گی۔ یہ جانتی ہوں کہ وہ مکار یہ فقرہ کہے گا کہ "یہ لیلیٰ! ——— وہی لیلیٰ! ——— جو کل شام تک حسن فروش تھی ——— ہم ہی سے اپنی روزی حاصل کرتی تھی ——— اب ہم پر طعن کرنے کے لئے عصمت و عفت کی دیوی بنی ہے ——— تم منہ چڑا چڑا کر یہ طعن کرو گے ——— اور میں ہنس ہنس کر تمہاری سیہ کاریوں کے متعلق تم ہی سے محاسبہ کروں گی۔

ان اوراق پر "تمت، تمام شد" میں نے نہیں لکھا ہے ——— بلکہ ان خطوط کے اختتام کو ایک نئے باب کا عنوان بناتی ہوں،

عصمت فروش بازاری عورت کی دو باتیں سن کر تم اس قدر خفا ہو گئے مگر جب ایک خانہ نشین پاک نہاد بیوی کی دو چار باتیں سنو گے تو کیا کہو گے؟ حق کی آواز محض تحقیر اور تذلیل سے رد کی جا سکتی، یہ ان چھوں کے ہتھیار ہیں جن کی دھار ہمیشہ کند ہوتی ہے

ہاں ایک دوسرے جنم میں میرا انتظار کرو!

"لیلیٰ"

روشن کتابیں — سب کے لیے

۱ - بانگِ درا علامہ اقبالؒ کا مجموعہ کلام قیمت -/۸ روپے ۶ - دوست بنو، دوست بناؤ (نسیم انہوی) قیمت -/۵ روپے

۲ - چاند، جنگل اور لڑکی (ناول)، اے حمید قیمت -/۵ روپے ۷ - رابنسن کروسو ترجمہ: اے حمید - قیمت -/۵ روپے

۳ - انقلاباتِ عالم مرتبہ: ادارہ تصنیف و تالیف قیمت -/۸ روپے ۸ - صندل کی آگ (ناول) مصنف: یونس ادیب - قیمت -/۸ روپے

۴ - پطرس کے مضامین مصنف: پطرس بخاری ابتدائیہ: ڈاکٹر عبید اللہ قیمت -/۵ روپے ۹ - روشن معلومات مصنف: یونس ادیب قیمت -/۸ روپے

۵ - بالِ جبریل علامہ اقبالؒ کا مجموعۂ کلام قیمت -/۵ روپے ۱۰ - ضربِ کلیم - ارمغانِ حجاز (اردو نظمیں) اقبالؒ - -/۵ روپے

یہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے حاصل کریں!

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹ - سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲ ۵۴۰۰/

اُردو نثر کی داستان

اُردو کے نثری ادب کا منزل بہ منزل جائزہ۔ یہ اُردو زبان و ادب کے طلباء کے لیے ایک ٹھوس دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ مکمل سیٹ ۱۷ حصص پر مشتمل ہے

ترتیب: اے حمید   قامت ۱/۲ ۲۳×۳۶   کاغذ سفید   طباعت فوٹو آفسٹ

قسط : ۱ ـــــ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے دکن اور گجرات کے آخری نثر نگاروں تک کا ادب

قسط : ۲ ـــــ مصر و یونان کے قصہ گوؤں سے لے کر گولکنڈہ و بیجاپور کے داستان گوؤں تک

قسط : ۳ ـــــ ہندوستان میں لکھی گئی ڈیڑھ ہزار سال پرانی داستان سے جوزف ولیم کالج کے قصوں تک

قسط : ۴ ـــــ مظہر علی ولا کی بیتال پچیسی اور مراتن کی باغ و بہار سے حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل تک

قسط : ۵ ـــــ میر امن دہلوی کی باغ و بہار سے حیدری کی توتا کہانی کی داستان تک کی مکمل تاریخ

قسط : ۶ ـــــ میر شیر علی افسوس، مولوی عنایت اللہ شیدا اور خلیل علی خان آتش کے دور تک کی داستان

قسط : ۷ ـــــ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد کے حالات اور اس کے اردو نثر پر اثرات

قسط : ۸ ـــــ اُردو کے پہلے سٹیج ڈرامے "سونانا" سے لے کر آغا حشر کے نمائندہ ڈرامے رستم و سہراب تک

قسط : ۹ ـــــ میر بہادر علی حسین کے عہد سے لے کر اخلاق ہندی کے انتخاب کی داستان

قسط : ۱۰ ـــــ دبستانِ لکھنؤ کی ثقافت کی بھرپور جھلک اور اودھ میں علم و ادب کی ابتدا و عروج

قسط : ۱۱ ـــــ مرزا غالب کے خطوط، ان کی فارسی اور نثر کا انتخاب، تقریظیں، دیباچے اور عہد کی داستان

قسط : ۱۲ ـــــ سر سید احمد خاں کی سوانح، علی گڑھ مسلم کالج کی روداد اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد

قسط : ۱۳ ـــــ نواب وقار الملک، مولانا محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد کے عہد کے نثر نگاروں تک

قسط : ۱۴ ـــــ خواجہ حالی کا مرتبہ اردو نثر نگاری میں، حیاتِ سعدی، حیات جاوید اور یادگارِ غالب کے مضامین کا انتخاب

قسط : ۱۵ ـــــ اردو ادب کے عظیم ادیب، نقاد علامہ شبلی نعمانی کی دینی و علمی خدمات، ادبی کارنامے اور ان کا عہد

قسط : ۱۶ ـــــ مولانا شرر، مولانا ہادی رسوا اور مرزا فرحت اللہ بیگ کے حالاتِ زندگی اور ان کی نثر نگاری پر ایک نظر

قسط : ۱۷ ـــــ آل احمد سرور، رام بابو سکسینہ، نیاز فتح پوری سے فراق گورکھپوری تک کے حالات و واقعات پر مستند کتاب

اس سیریز کی افادیت کے پیشِ نظر ہم نے پورے سیٹ کو نہایت عمدہ جلد میں یکسے جا کر کے ایک جلد میں دیدہ زیب سیاہی، سکرین پرنٹ سے کندہ کروا کر تیار کروایا ہے۔ مکمل سیٹ ایک جلد میں مجلد سنہری۔ قیمت : -/۱۵۰

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/۰۰۰/۸۴/۵

روشن کتابیں — سب کے لیے

—— اور پھر صدیوں کی بیمار سرزمین نے ایک مردِ آہن کو جنم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ابنائے باسفورس کا پانی اُس مہرِ منوّر کی تابانیوں سے چمکنے لگا —— اُس عظیم لیڈر اور باصلاحیت قائد کی داستانِ حیات، جس کی زیرِ قیادت ترک قوم آزادی جیسی نعمت سے فیضیاب ہوئی۔

کمال اتاترک

۱۲

روشن کتابیں

("گرے وُلف" اور بہت سی مستند کتابوں سے ماخوذ)

مؤلف: آغا اشرف

قیمت صرف: ۳/۵۰ روپے

جریدی کتابوں کا ایک نیا سلسلہ

۱۳

روشن کتابیں

آدھی بیوی

(ناول)

بیوی کا ایک نیا رُوپ

اشتیاق احمد کے اپنے انداز میں —— ایک دلچسپ ناول

مصنف: اشتیاق احمد

قیمت صرف: =/۳ روپے

جریدی کتابوں کا ایک نیا سلسلہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹۔سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور۲/ ۵۴۰۰۰